انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہٗ نبی (الحدیث)

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ است

فدایانِ ختمِ نبوت کا ترجمان

ماہنامہ

العاقب

لاہور

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
مارچ 2009ء

زیرِ سرپرستی: حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی

بیاد

فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان کا ترجمان

العاقب

امام المجاہدین: حضرت علامہ محمد فضل حق خیر آبادی

مجاہد اعظم: حضرت مولانا سید کفایت علی کافی

عارف کامل: حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری

سیف الحمام: حضرت مولانا فضل احمد لدھیانوی

قاطع مرزائیت: حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

زبدۃ الاصفیاء: حضرت خواجہ محمد سلطان عالم نقشبندی

امیر ملت: حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری

شیخ الاسلام: حضرت علامہ انوار اللہ خان چشتی

سحبان زماں: حضرت علامہ محمد حسن فیضی

فاتح مرزائیت: حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر

قائد تحریک ختم نبوت: حضرت مولانا ابو الحسنات قادری

شاعر مشرق: حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

غازی علم الدین شہید

نگران

خادم حسین رضوی

خان محمد قادری

مدیر

محمد وحید نور

مجلس منتظم

ظہیر عباس

حافظ محمد فرحان

جلد 2 شمارہ 3

ربیع الاول ۱۴۳۰

مارچ 2009

قیمت 20 روپے

سالانہ 240 روپے

12 اکتوبر 1999ء کا قادیانی شب خون

18 جنوری 2009ء بروز اتوار مسلم لیگ (ن) کے رہنما اور سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے داماد کیپٹن (ر) محمد صفدر (M.N.A) نے دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے اکرم کیمپس میں عرس مبارک کی آخری نشست سے خطاب کرتے ہوئے 12 اکتوبر 1999ء کو کی گئی قادیانی سازش کو درج ذیل الفاظ میں بے نقاب کیا۔ (یاد رہے کیپٹن صاحب کی اس حق گوئی کے وقت اسٹیج پر مسلم لیگ (ن) کے مرکزی رہنما مخدوم جاوید ہاشمی، رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی منیب الرحمن ہزاروی، وفاقی وزیر مذہبی امور صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی، وفاقی وزیر عشر و زکوۃ صاحبزادہ مولانا نور الحق قادری اور سجادہ نشین بھیرہ شریف پیر محمد امین الحسنات بھی موجود تھے۔)

12 اکتوبر 1999ء کا شب خون دراصل قادیانی شب خون تھا۔ جس کا اصل ہدف مارچ 2000ء میں ہونے والے سینٹ کے الیکشن کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کو روکنا تھا۔ انہیں (قادیانیوں کو) خدشہ تھا کہ اس الیکشن میں نواز شریف کو اکثریت مل جائے گی اور وہ سینٹ سے شریعت بل پاس کروالیں گے جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو ملک میں ہجرت کرنا پڑے گی یا پھر دبک کر رہنا پڑے گا۔

ضیائے حرم: فروری 2009ء صفحہ: 89

فہرست

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ یا دہشت گردوں کی جنگ؟

نائن الیون (11 ستمبر) کے بعد دنیا بھر کے میڈیا میں دہشت گردی کا ایسا بھونچال آیا جس نے ہر شخص کو متاثر کر دیا ہے۔ اس صہیونی چال کا سب سے زیادہ شکار وطن عزیز پاکستان ہوا ہے۔ 11 ستمبر کے بعد امریکی آقاؤں نے اپنے پاکستانی غلام حکمرانوں کو اس نام نہاد جنگ میں ایسا دھکیلا ہے کہ اب ہمارے حکمران چاہتے ہوئے بھی اس گرداب سے صحیح سلامت نہیں نکل سکتے۔

نام نہاد دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی جنگ نے اس وقت دہشت گردوں کی جنگ کا رُوپ دھار لیا ہے۔ نیویارک (امریکہ) سے شروع کی جانے والی اس جنگ نے پورے پاکستان کا امن وسکون غارت کر دیا ہے۔ پاکستان کو یہ نام نہاد جنگ 7997 قیمتی جانوں کے ضیاع کے علاوہ 2080 ارب روپے میں پڑی ہے۔

جانی ومالی نقصان کے علاوہ سوات، باجوڑ، مالاکنڈ، جنوبی وزیرستان، شمالی وزیرستان اور بلوچستان میں ایسی انارکی پھیلی ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود کہیں نہ کہیں سے کوئی چنگاری نکل آتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں یہود وہنود نے ایک ایسی منظم سازش رچی ہے جس میں ان کا کردار پس پردہ ہے اور سامنے وہ کٹھ پتلی ہیں جن کا کردار نمائش سے زیادہ کچھ نہیں۔

درج بالا تمام علاقوں میں رہنے والے اکثر لوگ پٹھان قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی دوستی اور دشمنی میں کسی کو ثانی نہیں رکھتے۔ حکومت نے بھی ان پر تمام تر حربے آزما کر دیکھ لیے ہیں لیکن وہ تمام بے سود ثابت ہوئے ہیں۔ اب حکومت مذاکرات کی میز سجائے انہیں رام کرنے کی تگ و دو میں مگن ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں کہ اپنے ہی ملک کے رہنے والوں پر فوج کشی کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ آخر حکومت شروع دن سے معاملہ افہام و تفہیم سے حل کیوں نہیں کرتی؟ کیا لاکھوں لوگوں کو بے گھر کرنے اور ہزاروں کو خاک و خون میں تڑپانے کے بعد مذاکرات کرنے کی ہوش آئی ہے یا ہمارے حکومتی اکابر ایسے شرپسندوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں جو ملکی سالمیت اور بقاء کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں؟ اب وقت آ گیا ہے کہ حکومت درج ذیل چند امور کی طرف توجہ دے۔

- نام نہاد دہشت گردی کے خلاف شروع کی گئی جنگ کی موجودہ حیثیت اور نتائج کیا ہیں؟
- کیا پاکستان اس مسلط کی گئی جنگ کا مزید متحمل ہے؟
- دہشت گردی کیا ہے؟ کیا امریکی مفادات پر حملہ ہی دہشت گردی ہے یا مظلوم فلسطینیوں پر ننگی جارحیت بھی دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہے؟
- امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے شروع کی گئی یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے یا اسلام اور اس کے ماننے والے مسلمانوں کے خلاف؟

حکومتِ وقت کے لیے یہ نادر موقع ہے کہ وہ محبِ وطن قبائلیوں اور را، موساد اور سی آئی اے کے ایجنٹوں میں فرق کرتے ہوئے قبائلیوں کے قانونی و معاشرتی مطالبات تسلیم کرے اور انہیں احساس محرومی سے نجات دلائے۔

گیلانی صاحب ایک قدم اور آگے بڑھائیں

7 جنوری 2009ء کو اس ملک کے سفارتی نظام میں ایسی انہونی ہوئی ہے جس کی دُور دُور تک قطعاً کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی بالخصوص ایسی حکومت سے جو خود بیساکھیوں کے سہارے قائم ہے۔

کچھ یُوں ہوا ہے کہ وزیرِ اعظم گیلانی صاحب نے ترنگ میں آ کر امریکہ بہادر اور صدر محترم کے انتہائی خاص اور معتمد کارندے محمود علی درانی کو برطرف کر دیا۔ گیلانی صاحب کو شاید محمود درانی کی امریکہ نوازی کا صحیح اندازہ نہیں۔ اگر اندازہ ہوتا تو یقیناً اس ''گوہر نایاب'' کو یوں رائیگاں نہ کیا جاتا۔

جنرل (ر) محمود علی درانی 1977ء تا 1982ء امریکہ میں پاکستان کے ملٹری اتاشی رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد امریکی تھنک ٹینکس میں شامل ہو گئے۔ جنرل درانی ہی وہ امریکہ نواز تھے جو کابینہ کے اجلاس میں کی جانے والی خفیہ باتوں سے امریکی حکام کو قبل از وقت آگاہ کرتے اور جب امریکی حکام پاکستان آتے تو ان کے پاس وہ تمام معلومات پہلے سے موجود ہوتیں جو صدر اور وزیرِ اعظم نے اپنے زیرِ استعمال لائی ہوتیں۔

جنرل (ر) درانی ہی وہ مُعروف شخصیت ہیں جنہیں بھارت نوازی کی وجہ سے ہندوستان میں ''جنرل شانتی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ 1988ء میں جنرل (ر) درانی ہی تھے جنہوں نے صدر ضیاء الحق کو بہاولپور جانے کے لیے اصرار کیا تھا اور 2 دن میں 16 فون کالز کیں تھیں۔ جنرل (ر) درانی نے ہی صدر پاکستان کے طیارے میں آموں کی پیٹیاں اور امریکی ٹینک کا ماڈل رکھوایا تھا۔ انہی پیٹیوں اور ٹینک کے ماڈل کے بارے شبہ ہے کہ ان میں دھماکہ خیز مواد اور اعصاب شکن گیس تھی۔

وزیرِ اعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے اگر واقعی اپنی کابینہ اور ٹیم کو امریکی ایجنٹوں اور مخبروں سے پاک کرنا ہے تو صرف ایک درانی سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا محاسبہ بھی ہونا چاہیئے جو کسی بھی محکمے میں مشیر یا وزیر کے عہدے پر امریکی اصرار و دباؤ یا سفارش پر لگائے گئے ہیں۔ ویسے پاکستان کی کم و بیش 17 کروڑ آبادی میں سے کوئی ایک بھی شخص ہمارے محترم مشیر (درحقیقت وزیر) داخلہ اور مشیر (درحقیقت وزیر) خزانہ کا حلقہ انتخاب (یا مارچ 2009ء سے قبل ایوان بالا وزیریں کی رکنیت کے متعلق) بتا سکتا ہے؟؟؟

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ہست دین مصطفی ﷺ
دینِ حیات است
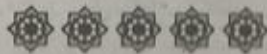
علامہ حافظ خادم حسین رضوی

شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی ۳ ربیع الاول ۱۳۸۶/۲۲ جون ۱۹۶۶ء بروز بدھ ''نکہ کلاں'' اٹک میں پیدا ہوئے۔ جہلم و دینہ کے مدارس میں حفظ و تجوید کی تکمیل کے بعد شہرۂ آفاق دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی' مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد رشید نقشبندی' استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبداللطیف نقشبندی' شرف ملت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری' جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ حافظ عبدالستار سعیدی اور استاذ العلماء حضرت مولانا صدیق ہزاروی ایسی شخصیات شامل ہیں۔

روحانی طور پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں عارف کامل حضرت اقدس خواجہ محمد عبدالواحد صاحب المعروف حاجی پیر صاحب سے کالا دیو شریف جہلم میں بیعت ہیں۔ تقریباً دو عشروں سے جامعہ نظامیہ میں ہی مسند تدریس پر رونق افروز ہیں۔ بلاشبہ آپ کے ہزاروں شاگرد اس وقت ملک عزیز کے طول و عرض میں خدمات دینیہ میں مصروف عمل ہیں۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ علم صَرف میں تیسیر ابواب الصرف اور تعلیلات خادمیہ آپ کے نوک قلم کی یادگار ہیں۔ اللہ رب العزت نے خطابت میں دلنشین و منفرد انداز عطا فرمایا ہے۔ روایتی تقاریر سے ہٹ کر آپ کے خطابات ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے'' کے مصداق پُر اثر ہوتے ہیں۔

اس وقت آپ فدایان ختم نبوت پاکستان اور مجلس علماء نظامیہ کے مرکزی امیر ہیں۔ اس کے علاوہ دار العلوم انجمن نعمانیہ سمیت کئی مدارس' تنظیمات اور اداروں کے سرپرست و نگران اور معاون ہیں۔

حضور سرورِ عالم ﷺ کے ظاہری دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب تک دینِ حق کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی آندھیاں اور جھکڑ چلے لیکن ہمارے اسلاف نے ہر دور میں ان طوفانوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے دینِ مصطفی ﷺ کے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

؎ سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

عروج و زوال تاریخ کا حصہ ہیں۔ جو قومیں دورِ انحطاط میں اپنے افکار و نظریات پر سختی سے کاربند رہیں انہیں دوبارہ عزت و وقار حاصل کرنے اور سربلند ہونے میں دیر نہیں لگتی اور جو قومیں اپنے افکار و نظریات کو چھوڑ کر اغیار کی نقالی میں مصروف ہو جاتی ہیں تباہی و بربادی ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ پختہ افکار و نظریات پر وہی قوم ثابت قدم رہ سکتی ہے جس کا نصاب تعلیم اغیار کا مرہونِ منت نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرضوان نے جو دس اصول دینِ حق کی ترویج و اشاعت کے لیے بیان فرمائے' کاش! اہلسنت و جماعت کے قائدین اور امراء ان کو اپناتے تو ہر محفل و جلسہ کے اختتام پر اہلسنت کی زبوں حالی کا رونا نہ رویا جاتا۔

فرنگیوں کی برصغیر آمد کے بعد ہمارے اسلاف نے جس جواں مردی اور استقامت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا وہ تاریخِ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔

ان کے چلے جانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ دینی مدارس کو فروغ و ترقی دے کر اپنے اسلاف کے دیے ہوئے نظامِ تعلیم کی حفاظت کا مزید بندوبست کیا جاتا لیکن العجب ثم العجب آہستہ آہستہ دینی مدارس کے اربابِ حل و عقد مغربی یلغار کے زیرِ دام آتے گئے اور آج معاملہ یہاں تک آ پہنچا ہے کہ جو کتابیں سرکاری سطح پر مسلمان بچوں کو تباہ کرنے کے لیے پڑھائی جاتی تھیں انہیں مدارس دینیہ کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں لڈی بھنگڑے وغیرہ کو پاکستانی ثقافت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور بعض ایسے افراد کو مسلمانوں کے ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا جن کے متعلق مفتیانِ اسلام نے ان کے بُرے عقائد کی بنیاد پر انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔

؎ پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا ہر چیز بناتی ہے خام

جس قوم کا نصابِ تعلیم اغیار کے افکار ونظریات پر مشتمل ہو یا وہ قوم نظامِ تعلیم میں غیروں کی محتاج ہو تو غلامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی محتاجی وغلامی کے متعلق علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کی گواہی پڑھیئے اور غور وفکر کیجیے کہ اہلِ اسلام کے نصابِ تعلیم کو بدلنے کا منصوبہ کتنا بڑا تھا جسے اس دور میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اک لُرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
سینے میں رہیں رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

ان اشعار کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک انگریز نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو ایسی تعلیم پڑھاؤ جس کے بعد وہ سونا بھی ہو تو مٹی بن جائے۔ غیر اسلامی تعلیم سے بڑھ کر اور کوئی چیز مسلمانوں کے لیے زیادہ تباہ کن نہیں۔

آج دنیاوی تعلیم کو ترقی اسلام کا نام دیکر درسِ نظامی کے نصاب میں شامل کیا جارہا ہے اور اس پر عجیب قسم کے دلائل دیئے جارہے ہیں۔ اس دنیوی تعلیم کے بارے میں تاجدارِ گولڑہ شریف، فاتح مرزائیت، شہنشاہ ولایت حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا موقف بھی پڑھیئے اور غور وفکر کیجیے کہ ہمارے اسلاف آنے والے حالات وواقعات سے کتنے باخبر تھے اور ایک ہم ہیں کہ سب کچھ سامنے دیکھ کر اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کر رہے۔

مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی
کہ از وے روح قومے میتواں کشت

اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر وترقی کے لیے سر عبدالقیوم نے آپ کو لے جانا چاہا تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ آپ کے تشریف نہ لے جانے پر سر عبدالقیوم نے آپ کو ایک خط ان الفاظ میں تحریر کیا۔ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔

حضرت قبلہ نے اسے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کے اس فقرہ پر مجھے تعجب ہوا۔ مخدوما! اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے نزدیک علم معتدبہ علومِ شرائع وادیان ہیں یعنی علومِ الٰہیہ اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے خدام سمیت محفوظ ہیں۔ ہمارے نزدیک تاحال دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں۔ پس آپ کے اس فقرہ بالا کی صحت بالکل صورت پذیر نہیں ہوتی البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علومِ پاک کا نکل جانا اس صورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب بحسب "کلمۃُ خیر ارید بھا شر" "ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے۔

بر عکس نہند نام زنگی کافور

اس کے بعد ماد شما سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرزِ تعلیم کا اثر احکامِ شرعیہ، صوم وصلوٰۃ وغیرہ پسِ پشت ڈالنے اور ظاہر اعزاز وشکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔ جسے اللہ محفوظ رکھے۔

اس وقت دینی مدارس کو حکومتی اور فرنگی آسیب سے بچانے کے لیے علمائے اسلام کو اپنے اسلاف جیسے کردار ادا کرنا ہوگا۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں قصۂ پارینہ را

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوب کریم ﷺ کی غلامی سے سرفراز فرمایا اور

عربی زبان کے ساتھ (جو کتاب وسنت کی زبان) سے اشتغال کی توفیق عطا فرمائی اور ایسے عظیم اساتذہ اور محسنین کو ہمارے لیے مقدر فرمایا جنہوں نے ہمیں عربی ادب کی تعلیم کے ساتھ دینی واخلاقی تربیت سے بھی نوازا۔

﴿فالحمد لله علی ذلک حمدا کثیرا﴾

آہ! آفتاب گولڑہ

13 فروری 2009ء بروز جمعہ سجادہ نشین گولڑہ شریف حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر علیہ الرحمۃ وصال فرماگئے۔

حضرت پیر صاحب' تاجدار گولڑہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے پوتے اور حضرت پیر سید غلام معین الدین گولڑوی المعروف ''بڑے لالہ جی'' کے فرزند ارجمند تھے۔ پیر سید نصیر الدین نصیر جید عالم دین' مبلغ اسلام' عارف' ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کے فارسی کلام کی کتاب آج بھی تہران یونیورسٹی (ایران) کے نصاب میں شامل ہے۔ آپ ہفت زباں شاعر تھے۔ اردو اور فارسی میں آپ کے نعتیہ کلام' نظم' غزل اور رباعیات کی 11 کتب شائع ہو چکی ہیں۔ آپ عالمگیر شہرت کے حامل صوفی تھے اور اندرون وبیرون ملک لاکھوں لوگ آپ سے فیض پا رہے تھے۔

گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ ہمیشہ تحفظ ختم نبوت کے عظیم الشان محاذ پر سرگرم عمل رہے۔ آپ کو یہ خو اپنے جد امجد اور والد گرامی سے منتقل ہوئی تھی کہ کذاب قادیاں کے گروہ کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ عقیدہ ختم نبوت سے لگن اور مرزائی قادیانی فتنے کی شر انگیزیوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے آپ کے یہ الفاظ آج بھی تر وتازہ ہیں کہ ''میرے جد امجد پیر سید مہر علی شاہ ڈیڑھ کنال زمین کے مالک تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ آج ہم اربوں روپے کی جائیداد کے مالک ہیں اور رد مرزائیت میں کچھ بھی نہیں کر رہے''۔ فدایان ختم نبوت کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ خطیب اسلام حضرت مولانا خان محمد قادری سمیت فدایان ختم نبوت کا پورا قافلہ اس عظیم صدمے کو اپنا ذاتی صدمہ سمجھتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے اور آپ کے تمام متاثرین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قصیدہ میلاد

مفتی احمد یار خان نعیمی

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آ رہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لا رہے ہیں

زمانہ بھی پلٹا رت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں

ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی یہ مژدہ لائی کہ حق کے محبوب آ رہے ہیں

خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھومیں
چرند ادھر کھلکھلا رہے ہیں پرند ادھر چہچہا رہے ہیں

نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

شب ولادت میں سب مسلماں نہ کیوں کریں جان ومال قرباں
ابو لہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں

زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انہی کے ہم گیت گا رہے ہیں

حبیب حق ہیں خدا کی نعمت بنعمة ربک فحدث

خدا کے فرمان پر عمل ہے جو بزم مولد سجا رہے ہیں

تبارک اللہ حکومت ان کی زمین کیا شے ہے آسماں پر

کیا اشارے سے چاند ٹکرے چھپا ہوا خور بلا رہے ہیں

میں تیرے صدقے زمین طیبہ فدا نہ کیوں تجھ پہ ہو زمانہ

کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں

مولانا افتخار احمد حبیبی کی المناک شہادت

چند دن قبل صوبہ بلوچستان کے معروف عالم دین اور تنظیم المدارس اہلسنت و جماعت پاکستان کی مجلس عموی کے رکن حضرت مولانا افتخار احمد حبیبی نقشبندی کو کوئٹہ میں شرپسندوں نے شہید کر دیا۔ مولانا افتخار احمد' حضرت مولانا حبیب احمد نقشبندی کے لخت جگر اور نوجوان عالم دین تھے۔ آپ کا آبائی تعلق ضلع خاران سے تھا۔ شہید کے والد گرامی کافی عرصہ جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی سیکرٹری جنرل بھی رہے ہیں۔ شہید افتخار احمد انتہائی ملنسار اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے دعا بعد از نماز جنازہ پر ایک یادگار مناظرہ بھی کیا تھا۔ کوئٹہ میں شہید کے گھرانے نے مدارسِ اہلسنت کے قیام کے لیے زبردست خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ صوبہ بلوچستان میں قیام امن کے لیے آپ کی نمایاں خدمات ہیں جنھیں تادیر یاد رکھا جائے گا۔ شہادت سے قبل آپ سرکاری ٹی وی چینل ''بولان'' پر پروگرام کی ریکارڈنگ کروا کر واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ہی شہید کر دیے گئے۔

فدایان ختم نبوت کا حکومت بلوچستان سے پُرزور مطالبہ ہے کہ شہید کے قاتلوں کو فوری گرفتار کر کے سخت ترین سزا دی جائے۔

تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کے گِر گیا

شہزاد شاہد مُریدکے

امیر محترم حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی کے فرمان کے مطابق ماہنامہ العاقب میں نوخیز قلمکاروں کے لیے چند صفحات خاص کیے گئے ہیں۔ تمام قارئین کو اس نئے سلسلے میں طبع آزمائی کے لیے دعوتِ خاص ہے۔

راتوں میں جو قدر و منزلت اور رفعت و عظمت شب قدر کو حاصل ہوئی ہے وہ کسی اور شب کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس میں قرآن کریم کا نازل ہونا' ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہونا' جبرائیل امین علیہ السلام اور فرشتوں کا زمین پر اترنا' طلوع فجر تک سلامتی کا پیغام سنانا ایسی خصوصیات ہیں جو اسے دوسری راتوں سے ممتاز کرتی ہیں مگر ایک رات ایسی بھی گزری ہے جس میں عجائبات و معجزات کا ظہور اس قدر ہوا ہے کہ اس کی تفصیل کو صفحہ قرطاس کی زینت بنایا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

وہ ''شب ولادت نبی'' ہے جو اپنے دامن میں ہزارہا حیرت انگیز' تعجب خیز اور ایمان افروز واقعات لیے فروزاں و تابندہ ہے۔ وہ رات جس میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے آنگن میں نور مبین جلوہ گر ہوا' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نور نظر کی نعمت سے سرفراز ہوئیں' زمین سے آسمان تک خوشی و مسرت کا جشن منایا گیا' بیت اللہ کو سجدہ شکر کی سعادت نصیب ہوئی' بت سرنگوں ہو گئے اور شہاب ثاقب کے ذریعے آسمان میں شیاطین کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ اسی رات ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے عظیم و شان' وسیع و عریض اور بلند و بالا محلات کی شان و شوکت میں اضافہ کرنے والے چودہ فلک بوس مینار پلک جھپکتے ہی زمین بوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو شہنشاہ کسریٰ نے حیرانی و پریشانی کے عالم میں تاج سر پر سجایا اور غم سے اس کے چہرے کی رونق اڑ گئی۔ بے چینی و بے کسی کی حالت میں وہ تخت پر بیٹھا اپنے وزیروں' مشیروں کو گزری

شب کی المناک داستان سنانے لگا۔ ابھی داستان غم مکمل نہ ہوئی تھی کہ ایک سہمے ہوئے قاصد نے دربار کسریٰ میں حاضری کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اس نے ایک خط حاضر خدمت کیا۔ خط پڑھ کر کسریٰ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ خط میں تحریر تھا کہ آتش کدہ ایران جو ہزار سال سے فیروزاں تھا اور پوجا کے لیے کبھی سرد نہ ہوا تھا آج شب از خود بجھ گیا ہے۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی کسریٰ کے چھکے چھوٹ گئے اور غم والم میں اضافہ ہوگیا۔ اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی اتنے میں ایک مجوسی عالم حاضر دربار ہو کر کہنے لگا اے شاہ کسریٰ! تیری سلطنت سلامت رہے آج رات میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے کہ ”طاقتور اونٹوں کو عربی گھوڑے مارتے ہوئے دریائے دجلہ عبور کر کے اطراف کے شہروں میں داخل ہو گئے ہیں“۔ شاہ کسریٰ نے پوچھا اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ اس نے جواب دیا دیارِ عرب میں کوئی عجیب وغریب واقع رونما ہونے والا ہے جس کے باعث عرب، عجم پر غالب آجائے گا۔

شاہ کسریٰ نے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے فوراً نعمان بن المنذر کو خط لکھا کہ مجھے ایسا صاحب علم وبصیرت شخص مطلوب ہے جو ان پیش آنے والے واقعات کی حقیقت طشت ازبام کرے۔ نعمان نے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے عبدالمسیح غسانی کو ایوان کسریٰ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو شاہ کسریٰ نے تمام واقعات بیان کیے۔ عبدالمسیح غسانی نے سن کر کہا ان واقعات کی حقیقت کا صحیح علم میرے ماموں سطیح غسانی کو ہوگا جو ایک شہرت یافتہ کاہن ہے اور ملک شام میں رہتا ہے۔

شاہ کسریٰ نے کہا اس کے پاس جاؤ اور حقیقت دریافت کرو۔ عبدالمسیح طویل سفر طے کر کے ملک شام پہنچا تو سطیح غسانی بستر مرگ پر زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ اس نے اسے سلام کیا مگر سلام کا جواب نہ ملا۔ عبدالمسیح نے زور زور سے شعر پڑھنے شروع کیے تو سطیح غسانی نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا تجھے ایران کے بادشاہ نے برق رفتار ناقہ پر اس لیے میرے پاس بھیجا ہے کہ پیش آئندہ واقعات کی حقیقت ظاہر ہو سکے تو سن! ایوانِ کسریٰ کے میناروں کا گرنا، آتشکدے کا بجھنا، دریائے ساوہ کا خشک

ہونا، مجوسی عالم کا خواب دیکھنا یہ سب نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے نشانات ہیں۔ گرنے والے میناروں کی تعداد اس کے خاندان میں آخری ہونے والے چودہ بادشاہوں کی علامت ہے۔ یہ کہہ کر سطیح غسانی مر گیا۔

عبدالمسیح واپس آیا اور اس نے شاہ کسریٰ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو اس کی جان میں جان آئی اور کہنے لگا میرے خاندان کے چودہ افراد کی حکومت ختم ہوتے نہ جانے کتنا عرصہ گزر جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان قدرت کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانیہ میں ایران کو فتح کر لیا اور یوں دنیا کی سپر پاور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلامی ریاست بن گئی۔

یہ میلاد النبی ﷺ کے معجز نمائی کا ہی صدقہ ہے کہ ڈیڑھ ارب سے زائد لوگ مسلمان ہیں۔ 57 سے زائد اسلامی ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔ ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کی تمام تہذیبیں اور قومیں اسلام کی مقناطیسی کشش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں ہیں۔ ہر روز غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں اور اسلام کے سنہری اصول وضوابط سے ہر تہذیب وقوم استفادہ کر رہی ہے۔

اے بادہ کشان غفلت، اے خفتگان شب ملامت میلاد النبی ﷺ کی صبح ایک ہی پیغام سنا رہی ہے اور ایک ہی دعوت دے رہی ہے۔ وہ یہ کہ حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے عطا فرمودہ عزت وشرف سے رہنا چاہتے ہو تو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہو کر پرچم اسلام کو مضبوطی سے تھام لو اور اسے سربلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔

؎ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

اہل سنت

کے تحفظ کے لیے قلمی استحکام ناگزیر ہے

مولانا خوشتر نورانی علیگ

مولانا خوشتر نورانی علیگ' رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے پوتے اور علمی وارث ہیں۔ غالباً ساٹھ کی دہائی میں حضرت رئیس القلم نے کلکتہ سے سنی جریدہ ''جام نور'' شروع فرمایا تھا جو واقعتاً معیار کے لحاظ سے نُور کا جام ثابت ہوا اور بہت جلد اس رسالے نے ترقی کی منازل طے کی تھیں۔ حضرت رئیس القلم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے چنانچہ جب آپ کی تصنیفی' دعوتی' اصلاحی اور سیاسی مصروفیات بڑھیں تو ''جام نور'' کا اجراء رک گیا۔ 2000ء میں حضرت علامہ کے پوتے مولانا خوشتر نورانی علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد 2 سالہ صحافتی کورس میں مشغول ہو گئے اور جلد ہی ''جام نور'' کی دہلی سے نشاۃ ثانیہ فرماتے ہوئے ضخیم ''رئیس القلم نمبر'' منظر عام پر لائے۔ اکتوبر 2002ء سے جام نور کا باقاعدہ آغاز کیا جو اس وقت تک شان و شوکت سے جاری ہے۔ رئیس القلم نمبر کے علاوہ مئی 2003ء میں امام اہلسنت نمبر اور مئی 2004ء میں جہاد نمبر آپ کے نمایاں کارنامے ہیں۔ مولانا خوشتر نورانی دینی و ملکی معاملات پر بے لاگ تبصرے و تجزیے کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسی موزوں باتیں لکھ اور کہہ ڈالتے ہیں جنہیں بعض لوگ سوچ تک ہی محدود رکھتے ہیں اور قلم و زباں کی نوک پر لانے سے گھبراتے ہیں۔ بہر کیف درج ذیل مضمون میں مولانا خوشتر نے اہلسنت کی زبوں حالی کے ایک گوشہ پر خامہ فرسائی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آتے ہی امت محمدیہ پر حریم خداوندی سے رحمت و نور اور فیضان کرم کے دریچے کھول دیے جاتے ہیں اور شہنشاہ ہفت اقلیم کا کلمہ پڑھنے والوں پر عطاؤں کی ایسی برکھا ہوتی ہے کہ عصیاں شعاروں کے نامۂ اعمال سے معصیت کے دھبے چشم زدن میں دھل کر صاف وشفاف ہو جاتے ہیں۔ جہاں اپنے گنہگار بندوں پر قسام ازل کی عنایتوں کا تلاطم اپنے عروج پر ہوتا ہے وہیں ملت کے سرمایہ داروں کی فیاض تجوریاں بھی مدارس اسلامیہ کی فصیلوں کو مضبوط کرنے کے لیے تنگ دستی کا گلہ نہیں کرتیں اور یہ ''ادائے عثمانی'' مدارس و مساجد کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

یہ صرف اس بابرکت مہینے کی بات نہیں بلکہ ہمارے دینی خروش کے مظاہروں کے لیے کچھ اور بھی

خاص موسم ہیں جہاں اہلیان ثروت ہی نہیں بلکہ ملت کے وہ افراد بھی ہیں جو اپنی تنگی جیب پر زندگی بھر قسمت سے شاکی رہے مگر جیسے ہی ربیع الاول اور ربیع الثانی کا ہلال مطلع افق پر نظر آیا' میلاد کی محافل' جلسوں کا انعقاد اور گیارہویں شریف کی تقریبات کے لیے اپنے مال و زر اور وقت کی قربانی پیش کرتے ہوئے ان کی دینی امنگوں اور روحانی کیف کے عالم قابل دیدنی ہوتے ہیں۔ ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہماری عقیدت و وارفتگی جذبات کا مظاہرہ چاہتی ہے اور معاشرتی سطح پر بدعقیدگی کے خلاف پرامن احتجاج بھی۔ مگر اس سے قبل ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عالمی سطح پر چلائے جانے والے کیسریا ماحول میں باعزت زندگی گزارنے کی فکر' اپنی شناخت کا تحفظ' مذہب و مسلک کا دفاع اور ہمارے خلاف عالمی پیمانے پر رچی جانے والی سازش کی نقاب کشائی ان مجالس و محافل' ہنگامہ عقیدت و محبت اور افزائش مدارس و مساجد سے نہیں ہو سکتی۔

ہم نے اپنے ایام طفولیت میں ہی کہیں پڑھا تھا کہ ''قلم کی طاقت تلوار سے کہیں بڑی ہوتی ہے'' وقت گزرنے کے ساتھ اقوامِ عالم کی جسمانی اور فکری جنگوں کے تاریخی مطالعے نے دانشوروں اور فلسفیوں کو تلوار کے مقابلے میں قلم کی عظمت و برتری کو متعین کرنے میں سہولت دی اور تمام اہل فکر و نظر نے بلاتفریق مذہب و ملت یہ کہہ دیا ہے کہ قلمی استحکام کے بغیر کوئی جماعت بھی طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ صحافت و قلمی طاقت کا ہی کرشمہ ہے کہ باطل افکار نے اپنے بطلان کے باوجود شرق سے غرب تک اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں' ان کا فتنہ صبح کو جنم لیتا ہے' دوپہر کو جوان ہوتا ہے اور شام ہوتے ہوتے اہل حق کے لیے ایک مسلسل آزار بن جاتا ہے' جب کہ انہیں کسی خارجی قوتوں سے خطرہ نہیں پھر بھی وہ اپنے طبقاتی وجود کو مٹنے سے بچانے کے لیے پریس و لٹریچر کے ذریعے مسلک حق کے خلاف اپنی فکر و نظریاتی جنگ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ ہم اپنے وجود و عقائد کا سررشتہ حجاز اقدس کی دہلیز سے جوڑ کر اپنی اخروی نجات پر نازاں تو رہتے ہیں مگر اس کی اشاعت' تحفظ اور استحکام کے لیے صحافت و قلمی ہتھیاروں کے استعمال کو ضروری نہیں سمجھتے۔ مجھے حیرت ہے اہل سنت کے ان

قائدین پر جو ملک و بیرونِ ملک کے مسلسل اسفار کے باوجود بد مذہبوں کی فکری وسعت، ان کے نظریاتی جنگ کے طریقوں اور نئی نسلوں پر ان کی گرفت کو دیکھ کر بھی اپنی جماعت کے لیے ''دعا خوانی'' سے زیادہ کچھ نہیں کرتے بلکہ اپنے عوام کو اخروی سعادت کے حصول کے لیے ''ایصال ثواب'' کا جو تصور پیش کرتے ہیں اس کے دائرے میں مدارس و مساجد اور جلسہ و جلوس کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے جگہ نہیں نکل پاتی۔ انہوں نے اہل سنت کے استحکام کے لیے اپنی قوم کو لٹریچر کے فروغ کا تصور کیوں نہیں پیش کیا؟ میرا خیال ہے کہ حالیؔ کا یہ شعر یارانِ نکتہ داں کے لیے کافی ہوگا کہ:

اہل معنیٰ کو ہے لازم سخن آرائی بھی
بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

ماضی میں جماعت وملت کے لیے اپنے دلوں میں سوز و گداز رکھنے والے جن چند حساس دل قائدین نے جماعتی استحکام کے لیے قرطاس و قلم کی طرف اپنی قوم کی توجہ مبذول کرواتے رہے ہیں ان میں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی سرفہرست ہے جنہوں نے فکری مزاج کی تعمیر میں قلم کی اہمیت وافادیت پر ہمیشہ ملت کو جھنجھوڑا۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ: ''ایک عرصے سے چیخ رہا ہوں کہ زندہ رہنا ہے تو سوچنے اور برتنے کا انداز بدلنا ہوگا۔ فولادی تلوار کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اب قلم کی تلوار سے معرکے سر کیے جا رہے ہیں۔ پہلے کسی محدود رقبے میں کفر وضلالت کی اشاعت کے لیے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی تھی اور اب پریس کی بدولت صرف چند گھنٹوں میں شقاوتوں کا ایک عالمگیر سیلاب امنڈ سکتا ہے۔ آج ہندوستان کا ہر فرقہ قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے۔ اتنا مسلح کہ اس یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جارہی ہے مگر ہمارے یہاں جس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے وہ تقریروں کا اسٹیج ہے۔ اس مد پر ہم لاکھوں روپے بے دریغ لٹا دیتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی تکان محسوس نہیں ہوتی البتہ قلم کے ذریعے دین کی خدمت کے سوال پر سرد مہریوں کا تماشہ قابل دید ہوتا ہے''۔

آقایانِ خانقاہ کی تال پر رقص کرنے والی قوم نے دلِ مضطرب کی اس پکار کو مجنوں کی ''بڑ'' سمجھا۔ جماعتی اشاعت واستحکام کے تئیں ہماری بے فکری، غیر منظم طریق کار اور غفلتوں کے نتیجے میں ملک گیر پیمانے پر آج ہمارا دائرہ اثر ختم ہوتا جارہا ہے۔ نئی نسلوں پر ہماری مسلکی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی ہے، تعلیم یافتہ طبقہ تبلیغ واشاعت میں ہماری جہل پسندانہ سرگرمیوں سے متنفر ہوتا جارہا ہے۔ عقیدے کے محاذ پر ان گنت مکاتب فکر پریس و لٹریچر کے ذریعے ہماری مسلکی روایتوں کا آپریشن کر رہے ہیں اور مذہبی محاذ پر سنگھی یلغار ہمارے مذہب کے لیے درپئے آزار بنا ہوا ہے مگر وحدت فکر وخیال کے لحاظ سے عددی اکثریت کا ہم راگ الاپنے والوں نے اپنے آپ کو چھوٹی چھوٹی منڈلیوں میں کچھ اس طرح تقسیم کرلیا ہے کہ کسی وسیع میدان میں قدم رکھتے ہوئے ہمیں وحشت محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہمارے قائدین اور علماء نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے زمرے میں قلمی استحکام کو اہمیت نہ دے کر اپنے ہی پیروں میں کلہاڑی مار لی ہے۔ جنہوں نے جماعتی اشاعت کے لیے اہل قلم پیدا کرنے اور لٹریچر کو عام کرنے کے لیے تربیت گاہِ لوح وقلم تعمیر کرنا چاہا ان کے منصوبے ہزار کوششوں کے باوجود قرطاس سے زمین پر نہ اتر سکے۔ جنہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر مذہبی ادب اور جماعت کے فروغ کے لیے کتابیں لکھ دیں تو ان کے فکری شاہکار الماریوں میں بند دیمکوں کے لیے لقمۂ تر بن گئے۔ جنہوں نے رسائل وجرائد کے ذریعے مذہبی صحافت کی خاردار وادیوں میں اس فکر کے ساتھ قدم رکھنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کیا کہ کچھ دنوں میں قلمی مہم کے اس سفر میں ملت کے غیور افراد کا ایک کارواں ہمارے ساتھ ہوگا مگر کچھ ہی دور چلنے کے بعد ان کو یہ احساس ہوا کہ وہ اس راہ میں بالکل تنہا ہیں۔ بالآخر مسلسل ناکامیوں اور بے اعتنائیوں کی وجہ سے وہ تھک کر بیٹھ گئے اور عزم وہمت کی یہ تحریک بھی وہیں ختم ہوگئی۔ اگر ہم اہل سنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا فکری مزاج بدلنا ہوگا ورنہ ہماری بربادیوں کا تصور کون کرسکتا ہے؟

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان

محمد وحید نور

عالم اسلام کے قابل فخر سپوت، عظیم سائنسدان، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان 1936ء کو بھوپال (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب 13ویں صدی کے عظیم مسلم فاتح سلطان شہاب الدین غوری سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم بھارت میں حاصل کرنے کے بعد آپ کے خاندان نے 1952ء میں پاکستان ہجرت کی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے محسن پاکستان نے جرمنی، ہالینڈ اور بیلجیم کے مختلف اداروں کا رخ کیا اور جلد ہی اپنے شعبے کے ممتاز سائنسدان کہلائے۔ 1972ء میں یورینیم افزودگی میں مہارت تامہ حاصل کی لیکن اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کی خدمات پاکستان کے لیے وقف نہیں تھیں۔

18 مئی 1974ء کو جب بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو ڈاکٹر عبدالقدیر نے اپنے پیارے وطن کی مٹی کا قرض اتارنے کے لیے حکمرانِ وقت ذوالفقار علی بھٹو سے رابطہ کر کے اپنی خدمات پیش کیں جسے بھٹو صاحب نے بخوشی قبول کرتے ہوئے آپ کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے اپنے عارضی قیام پاکستان میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول میں درکار اہم مواد کی فہرست پیش کی۔ جسے قادیانی لابی نے غیر موثر بنا دیا اور ڈاکٹر صاحب کے اگلے دورے تک کوئی خاطر خواہ کام نہ ہوا جسے دیکھ کر ڈاکٹر عبدالقدیر کا دِل چُور چُور ہو گیا لیکن انہوں نے عزمِ صمیم کر رکھا تھا کہ پاکستان کو ہر قیمت پر ایٹمی قوت بنا کر دم لیں گے۔

یوں تو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کا ایٹمی پروگرام 1972ء سے شروع کر رکھا تھا لیکن بدقسمتی سے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (P.A.E.C) کا چیئرمین ایک متعصب قادیانی منیر احمد خان کو بنا

دیا گیا۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ کسی قادیانی کے ہوتے ہوئے پاکستان ایٹمی پروگرام میں کوئی پیشرفت کر لیتا۔ 1977ء میں جب محسن پاکستان ڈاکٹر خان واپس تشریف لائے تو کسی قادیانی نے بھرپور کوشش کی کہ ڈاکٹر خاں اس کے ماتحت کام کریں لیکن محب وطن اعلیٰ عہدیداروں نے اس صہیونی منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ ڈاکٹر خان نے راولپنڈی کے قریب کہوٹہ کے مقام پر ایٹمی پلانٹ کی بنیاد رکھی۔ 1979ء میں ڈاکٹر خان کی اس جرأت پر مغربی میڈیا نے منظم انداز میں بھرپور کردار کشی کی مہم شروع کی۔ 15 نومبر 1983ء کو ہالینڈ میں ڈاکٹر خان پر ایٹمی راز چرا کر پاکستان لے جانے کے الزام میں 4 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ بعد میں حکومت پاکستان نے اس مقدمے کی پیروی کی اور ڈاکٹر خان 1986ء میں رہا ہوئے۔

ڈاکٹر خان کی انتھک محنت، حب الوطنی اور ان گنت خدمات کی بدولت صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے یکم جنوری 1984ء کو کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا نام بدل کر عبدالقدیر خان ریسرچ لیبارٹری (A.Q.R.L) رکھ دیا جسے خان ریسرچ لیبارٹری (K.R.L) بھی کہا جاتا ہے۔

1998ء میں جب بھارت نے 5 ایٹمی دھماکے کیے تو جواباً پاکستان نے یکے بعد دیگرے 6 ایٹمی دھماکے کر کے ہندو بنیے کو لگام دے دی۔ ان دھماکوں نے نہ صرف پاکستان دشمنوں کی نیندیں حرام کر دیں بلکہ یہود و ہنود کے بھی ہوش اُڑ گئے۔ صہیونی آقاؤں کو پہلے ہی ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور منیر احمد خاں قادیانی کی بدولت پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے متعلق اہم معلومات مل چکی تھیں چنانچہ ایک سازش کے تحت پاکستان کا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کی کوشش کی گئی۔

1999ء کے فوجی شب خون کے بعد امریکہ کو پاکستان کا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کا سنہری موقع میسر آیا چنانچہ انہوں نے پاکستانی فوجی حکمرانوں کو اس شرط پر اپنی حمایت کا یقین دلایا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ایٹمی پروگرام سے دور رکھیں اور ایٹمی پروگرام میں پیش قدمی مت کریں۔ جب انہیں اس سازش میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو

انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر پر جوہری ٹیکنالوجی کی منتقلی کا الزام دھڑ دیا۔

وقت کے آمروں نے بھی اس سازش کا مقابلہ کرنے کی بجائے ڈاکٹر عبدالقدیر کو قربانی کا بکرا بنانے میں ہی عافیت جانی اور 4 فروری 2004ء کو محسن پاکستان کو سرکاری ٹیلی ویژن پر اپنے ناکردہ گناہوں کا معافی نامہ پڑھنے کے لیے تھمادیا گیا۔ پاکستان کے اس عظیم محسن نے ایک بار پھر قربانی دیتے ہوئے تمام الزامات کو اپنے کندھوں پر لے لیا اور ملک کو عالمی صیہونی گزند سے محفوظ رکھا۔

وقت کا پہیہ گردش کرتا رہتا ہے۔ 5 سال قبل ڈاکٹر خان کو مجرم بنا کر پیش کیا گیا اور 5 سال بعد وہی ڈاکٹر خان انہیں فوجی ڈکٹیٹروں کی بنائی ہوئی عدالت میں بے قصور ثابت ہوئے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ نے طویل مقدمہ کی سماعت کے بعد ڈاکٹر خان کو تمام الزامات سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے رہا کرنے کا حکم دیا۔ انتہائی سادہ اور سیدھا سا سوال ہے کہ ڈاکٹر خان کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے دُور رکھ کر کن کی خدمت کی گئی اور کن کا حق نمک حلالی ادا کیا گیا؟

کیا اہل پاکستان کے پاس محسن پاکستان ڈاکٹر خان کے احسانات کا بدلہ ہے؟ اگر ڈاکٹر خان محنت نہ کرتے تو خدانخواستہ آج پاکستان کو بھی غزہ جیسی صورتحال سے درپیش ہونا پڑتا۔ ڈاکٹر خان' پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور پاکستان کے دشمن وہی ہیں جنہوں نے آج تک ملک عزیز کے وجود کو تسلیم نہیں کیا' جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی معلومات اپنے آقاؤں کو فراہم کیں اور جو شروع ہی سے پاکستان' اس کے ایٹمی پروگرام اور اس کے بانی کے دشمن ہیں۔

انہیں دین فروش اور غداران وطن کے متعلق محسن پاکستان کا کہنا ہے کہ

● اس میں ذرا بھر بھی شبہ نہیں کہ عرصہ دراز سے قادیانی ملک کے اندر اور باہر یہودی لابی سے مل کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے مغربی ممالک کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں اور بے جا پابندیاں پیدا کر کے ہماری فنی ترقی کو مفلوج بنانے میں

مشغول ہیں۔ ۱؎

● (ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو نوبل انعام) نظریات کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام 1957ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے اور آخر کار آئن سٹائن کی صد سالہ وفات پر ان کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی اس انعام سے نوازا گیا۔ ۲؎

1. عقیدہ ختم نبوت کیا ہے؟
2. کس بزرگ ہستی نے لعین قادیاں مرزا قادیانی کو بے نقط (بغیر لفظوں کے) عربی قصیدہ پڑھنے کے لیے دیا اور وہ اس کا ایک شعر بھی نہیں پڑھ سکا؟
3. مرزا قادیانی نے اپنے کس بیٹے کو قادیانیت قبول نہ کرنے کی وجہ سے جائیداد سے عاق کیا تھا؟
4. دجال قادیان مرزا قادیانی کس دن کو منحوس کہتا تھا اور خود بھی اسی دن واصل جہنم ہوا؟

﴿نوٹ: درست جوابات دینے والے خوش نصیبوں کو اگلا شمارہ بالکل فری﴾

﴿جواب نوٹ کروائیں صرف عصر تا مغرب 0321-4370406﴾

۱؎ ہفت روزہ چٹان' ۳۱ اگست ۱۹۸۶ء' جلد: ۳۹' شمارہ: ۲۳

۲؎ ہفت روزہ چٹان' ۶ فروری ۱۹۸۴' جلد: ۳۷' شمارہ: ۴

یاد ماضی عذاب ہے یا رب

ڈاکٹر عبد القدیر خان

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا تعارف گزشتہ مضمون میں شائع ہو چکا ہے۔ پیش نظر مضمون ڈاکٹر صاحب کی وطن عزیز سے بے لوث محبت اور جذبات کا عکاس ہے جسے افادۂ قارئین کے لیے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہم سب کی زندگی میں کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں جو کبھی نہ کبھی ہمیں یاد آتے رہتے ہیں۔ بعض واقعات بہت خوشگوار ہوتے ہیں اور بعض بہت ہی تکلیف دہ۔ خوشگوار واقعات کی یاد جب آتی ہے تو ہمارے چہرہ پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور ہم دل ہی دل میں اس واقعہ کو یاد کر کے خوش ہوتے ہیں' ایسے واقعات عموماً مختصر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ناخوشگوار واقعات کی یاد بہت دیرپا اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ کچھ یادیں امتحان سے وابستہ ہوتی ہیں کہ امتحان بہت سخت تھا' سخت پریشانی تھی اور نیندیں اُڑ گئیں تھیں۔ کچھ یادیں بعض مشکل اور تکلیف دہ واقعات سے وابستہ ہوتی ہیں جو آپ نہ کبھی بھلا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ جلد آپ کو اس سے نجات دیتی ہیں۔

خوشگوار واقعات تو میری زندگی میں بہت آئے اور اللہ تعالیٰ کا کرم رہا کہ ان کی یادیں آج بھی نہایت خوشگوار ہیں مثلاً تعلیم میں کامیابی' شادی' بچوں کی پیدائش' ان کی تعلیم' اچھی باعزت ملازمت' پاکستان میں آمد' اہم کام کا کامیابی سے مکمل کرنا' ملک کو ناقابل تسخیر دفاع مہیا کرنا اور سب سے بڑھ کر عوام کی دلی اور والہانہ اور بے لوث محبت۔ مگر سب سے بُرا اور تکلیف دہ واقعہ جو آج بھی دل میں خنجر کی طرح چبھتا رہتا ہے وہ ہے 16 دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان میں ہماری افواج کی ذلت آمیز شکست اور ہتھیار ڈالنا۔ ہر سال جونہی دسمبر کا مہینہ قریب آتا ہے تو میرا دل غم سے بیٹھ جاتا ہے اور میں ایک ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ یہ ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب اور دن ہے۔ جو لوگ اس کو بھول گئے ہیں

یا بھولنا چاہتے ہیں وہ بے حس ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ ملک بھی تباہ ہو جائے تو ان کو کچھ تکلیف نہ ہوگی۔

اکتوبر 1971ء میں' میں نے اپنی ڈاکٹریٹ کی تھیس مکمل کر لی تھی اور داخل کروا چکا تھا۔ پچھلے کئی ماہ سے اپنے کام سے متعلق بین الاقوامی رسالہ جات میں ریسرچ مقالہ جات شائع کر رہا تھا مگر چند ماہ سے نہ دماغی سکون تھا اور نہ ہی کام میں دل لگ رہا تھا۔ مجھے ایک کتاب کی تکمیل کرنا تھی جو میں ہالینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر ولیم برگرس کی سالگرہ پر ان کو پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ پروفیسروں سے اس کتاب کے لیے مقالے لکھوائے تھے اور خود بھی ایک مقالہ تحریر کیا۔ یہ کتاب ہالینڈ کی مشہور کمپنی نے شائع کی تھی جو ایک بڑی تقریب میں ڈیلفٹ کی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں (جس میں امریکہ' انگلستان' فرانس' جرمنی' آسٹریا' ہالینڈ وغیرہ کے پروفیسروں نے شرکت کی تھی) پروفیسر برگرس کو پیش کی گئی تھی۔

جب مارچ 1971ء میں یحییٰ خان نے جنرل ٹکا خان سے مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کروایا تو میں نے یہی یقین کیا کہ واقعی مشرقی پاکستان والے دہشت گرد ہندوستانیوں کی مدد سے وہاں گڑبڑ کروا رہے ہیں آہستہ آہستہ جب اخبارات اور ٹی وی نے حقائق بیان کرنا شروع کیے تو دماغ الجھن میں پڑ گیا۔ میں نے کراچی میں ایوب خان کے ابتدائی دور میں فوجیوں کو دیکھا تھا اور میرے دل میں ان کی بے حد عزت تھی مگر اب نہتے بنگالیوں کا قتل عام' ہزاروں حاملہ لڑکیاں اور نہایت اندوہناک تصاویر دیکھیں جن میں کتے بچوں کی لاشیں گھسیٹ رہے تھے اور ان کو کھا رہے تھے تو بے حد دکھ ہوا۔

میرے ساتھ بازو والے فلیٹ میں ڈاکٹر عبدالمجید ملا اور ان کی بیگم ڈاکٹر عائشہ قیام پذیر تھے۔ وہ میڈیکل سائنس میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ ڈھاکہ سے تھے اور ہمارے بے حد اچھے دوست اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ ان کی دو بچیاں ہماری بچیوں کی ہم عمر تھیں اور بے حد اچھی دوست تھیں۔ ہمارے تعلقات میں فرق نہیں آیا مگر جب ملتے تھے تو اندرونی طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ درمیان میں خلیج پیدا ہو رہی ہے۔ جب ان یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے پاکستان کے خلاف جب مظاہرہ کا انتظام کیا تو

میں نے سمجھا بجھا کر وہ ملتوی کروادیا کہ طلباء اور اساتذہ کو سیاست میں نہیں پڑنا چاہیے۔

اس سے پیشتر 1965ء میں، میں نے ہالینڈ میں مشہور پروفیسر ڈاکٹر ڈے ینگ کو کشمیر کے بارے میں تفصیلی خط لکھ کر اور بات کر کے پاکستان کے موقف کا قائل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت جنگ کے دوران ہندوستانی نقطہ نظر زیادہ پیش کرتے تھے۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر متوازن تبصرہ کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد 16 دسمبر 1971ء کا دن آیا اور مجھے اپنی آنکھوں سے وہ سیاہ ترین دن بھی دیکھنا پڑا جب جنرل امیر عبداللہ خان نیازی پلٹن میدان میں بیٹھ کر ہندوستانی جنرل اروڑا کے سامنے شکست نامے اور ہتھیار ڈالنے کے معاہدہ پر دستخط کر رہے تھے۔ میں کئی دن سو نہ سکا' بھوک مرگئی اور کئی کلو وزن کم ہوگیا۔ میں یہی افسوس کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ منحوس دن کیوں دکھانے کو زندہ رکھا۔ جس وقت مغربی پاکستان کی فوج نے مشرقی پاکستان میں بدنام زمانہ آرمی ایکشن شروع کیا اس وقت ہمارے انقلابی شاعر حبیب جالب مرحوم نے یہ قطعہ کہا تھا۔

1971ء کے خون آشام بنگال کے نام

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو
گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

بعد میں معتبر ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ فوج نے 100 سے زیادہ بنگالی دانشوروں کو گرفتار کر کے ڈھاکہ کے باہر قتل کر کے اجتماعی قبر میں دفن کر دیا تھا۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہ آتا تھا لیکن جب پاکستان آیا اور میرے ساتھ کام کرنے والے پرانے فوجی سپاہیوں اور نچلے درجہ کے افسران سے تفصیلات کا علم ہوا تو میرا سر شرم سے جھک گیا۔ رہی سہی کسر مشرف نے اپنی ہی فوج کو اپنے ہی عوام کے خلاف استعمال کر کے اور لال مسجد میں معصوم بچیوں کو فاسفورس بم سے جلا کر اور مار کر پوری کر دی۔

فوجی کاروائی جو اپنے ہی عوام کے خلاف قبائلی علاقہ میں جاری ہے اسے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ہر خبر غور سے پڑھتا ہوں تو فوراً مجھے میرے پرانے دوست محسن بھوپالی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

اس لیے سنتا ہوں محسن ہر فسانہ غور سے
اک حقیقت کے بھی بن جاتے ہیں افسانے بہت

میں 1972ء کے اوائل میں امسٹرڈم چلا گیا اور وہاں یورینیم کی افزودگی میں مہارت حاصل کی۔ مجھے پھر بھی ہر وقت 16 دسمبر 1971ء یاد آ کر دکھ دیتا رہتا تھا۔ جب 18 مئی 1974ء کو ہندوستان نے دنیا کو دھوکہ دے کر ایٹمی دھماکہ کیا اور بھٹو صاحب کی بار بار وارننگ کو نظر انداز کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ اب پاکستان کا قیام و وجود بہت خطرہ میں پڑ گیا ہے اور ہندوستان' ہمیں چند سالوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ستمبر 1974ء کو میں نے بھٹو صاحب کو بم بنانے کی پیش کش کی تو انہوں نے فوراً آنے کی دعوت دے دی۔ میں ان کو تمام ضروری چیزیں بتلا کر واپس چلا گیا اور جب اواخر دسمبر 1975ء میں ان کی دعوت پر دوبارہ آیا تو کچھ کام نہیں ہوا تھا۔ جب میں نے ان کو یہ بتلایا تو انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس نہ جاؤں اور رک کر ایٹم بم بناؤں۔ باقی حالات کہ کس طرح سب کچھ چھوڑا' کتنی خطیر تنخواہ پر کام کیا اور کن کن مشکلات و سازشوں کا سامنا کرنا پڑا یہ سب اب ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔

میرے رفقائے کار اور میں نے نہایت کم عرصہ میں بفضل تعالیٰ اس ملک کو ایک ایٹمی اور میزائل قوت بناتے ہوئے ملک کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ میں نے اربوں ڈالر کی ٹیکنالوجی دی اور ایک پائی معاوضہ کا نہیں ملا۔ اب موجودہ حالات میں جب غور کرتا ہوں تو اکثر خیال آتا ہے کہ کیا یہ ٹھیک قدم تھا؟ وہ فوج جو ذلت سے ہتھیار ڈال کر 2 سال قید میں رہی' جن کو میں نے ہندو فوجیوں سے ڈنڈے اور ٹانگیں کھاتے دیکھا تھا اور جو واحد طور پر میرے کام سے مستفید ہوئی۔ اس نے اپنے محسن کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس ملک کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین باب رہے گا۔ ٹیکنالوجی میری تھی'

میں لایا تھا اور پاکستان نے ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا تھا اور ہم نے این پی ٹی (N.P.T) پر دستخط
بھی نہیں کیے تھے پھر بھی بے رحم ڈکٹیٹر (پرویز مشرف) نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا
اور خود ذلیل و رسوا ہو کر چلا گیا۔

؎ آپ کی کون سی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ملکی مفاد کی خاطر زبان کھولنا مناسب نہیں اور یہ کام بھی تو
مشکل ہے کہ آپ عدلیہ کو حقائق سے آگاہ کر سکیں۔

؎ کیا عدالت کو یہ باور میں کروا پاؤں گا
ہاتھ تھا اور کسی کا مرے دستانے میں

دنیا میں یہ عام رواج ہے کہ اگر فوج شکست کھائے تو افسران کی فوراً چھٹی کر دی جاتی ہے مگر
ہمارے افسران خوش قسمت تھے کہ نہ صرف وہ باعزت بحال رہے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی بھی مل گئی۔
ان کی اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جنگ نہ لڑنا پڑی۔
احمد فراز مرحوم نے ڈھاکہ میں فوجی میوزیم دیکھ کر جن احساسات کا اظہار کیا تھا وہ آج بھی ہم
سب کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بنگلہ دیش (ڈھاکہ میوزیم دیکھ کر)

کبھی یہ شہر میرا تھا زمین میری تھی
مرے ہی لوگ تھے میرے ہی دست و بازو تھے
میں جس دیار میں بے یار و بے رفیق پھروں
یہاں کے سارے صنم میرے آشنا رو تھے

کسے خبر تھی کہ عمروں کی عاشقی کا مآل
دل شکستہ و چشم پُرآب جیسا تھا
کسے خبر تھی کہ اس دجلۂ محبت میں
ہمارا ساتھ بھی موج و حباب جیسا تھا
خبر نہیں یہ رقابت تھی نا خداؤں کی
کہ یہ سیاست درباں کی چال تھی کوئی
دو نیم ٹوٹ کے ایسی ہوئی زمیں جیسے
مری اکائی بھی خواب و خیال تھی کوئی
یہ میوزیم تو ہے اس روزِ بد کا آئینہ
جو نفرتوں کی تہوں کا حساب رکھتا ہے
کہیں لگا ہوا انبار استخواں تو کہیں
لہو میں ڈوبا ہوا آفتاب رکھتا ہے
کہیں مرے سپہ سالار کی جھکی گردن
عدو کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا سماں
مرے خدا میری بینائی چھین لے مجھ سے
میں کیسے دیکھ رہا ہوں ہزیمت یاراں

ستم ظریفی دیکھیے جو کام میں نے کیا، اس کا سب سے زیادہ فائدہ جن کو پہنچایا اور جو ہتھیار ڈالنے
کی ذلت کی بجائے سر اٹھا کر سیدھا چلنے کے قابل ہوئے انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ سلوک کیا
اسے احسان فراموشی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اگر جناب بھٹو، غلام اسحاق خان، جنرل محمد ضیاء الحق اور محترمہ
بے نظیر بھٹو اس پروگرام کو نہ چلنے دیتے اور مدد نہ کرتے اور جناب میاں نواز شریف جرأت اور حب

الوطنی کا مظاہرہ نہ کرتے تو ہم سب ایل کے ایڈوانی کے حکم کے مطابق گردنیں جھکا کر ادب سے اس کے سامنے مارچ کر رہے ہوتے۔ جوں جوں دسمبر آتا ہے دل سے ایک ہی دعا، ایک ہی التجا نکلتی ہے۔

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

گذشتہ سوالات کے جوابات

1. 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں اہلسنت کے دو ممتاز علمائے کرام مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ اور خلیفہ اعلیٰحضرت مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کے لختِ جگر مولانا خلیل احمد قادری کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

2. بقول کذاب قادیاں ''میں ایک دائم المرض آدمی ہوں''۔ مختصراً مرزا کو سردرد، کمی خواب، تشنج دل اور ذیابطیس کی دائمی بیماریاں تھیں۔ ان کے علاوہ ہسٹریا، مراق، سلسل البول (کثرت پیشاب) نسیان (حافظہ کی کمزوری) دق اور سل، لکنت، مائی اوپیا اور نامردی مرزا کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔

3. تحریک ختم نبوت 1974ء کے نتیجے میں (1973ء کے متفقہ) آئین پاکستان میں دوسری ترمیم کی گئی۔

درست جوابات دینے والے خوش نصیب

حافظ عمر فاروق اسلامیہ کالج، وقاص ارشد لاہور، امجد اعوان ننکانہ، وقار احمد لاہور

غزہ کی ایک ماں

أم حبیب

گلاب موتیے کی اوڑھنی میں چھپ گیا ہے کیا؟
یہ ماہ تاب چاندنی کو اوڑھ کر سوگیا ہے کیا؟
یہ میرا آفتاب بدلیوں میں گھر گیا ہے کیا؟
ابھی ہمک رہا تھا میری گود میں، اسے ہوا ہے کیا؟
بموں کی گھن گرج میں اس کو نیند کیسے آگئی؟
بلک رہا تھا بھوک سے خاموشی کیسے چھا گئی؟
جگا رہی ہوں نیند سے مگر یہ جاگتا نہیں
مرے خدایا یہ کہیں.....؟ نہیں 'مرے خدا نہیں ؟
ابھی تو اس کے منہ سے ماں کا لفظ بھی نہیں سنا
ابھی تو میں نے اس کا پہلا سال بھی نہیں گنا
ابھی تو اس کی نرمیاں رچی ہیں میری گود میں
ابھی تو اس کی گرمیاں بسی ہیں میری گود میں
کھلونا کوئی اس کے واسطے میں لا نہیں سکی
سردیوں کی دھوپ میں اسے کھلا نہیں سکی
جسے چمک سمجھ کر تم ہنسے، بہت ہی خوش ہوئے
وہ ''بم ہے میری جان! بم'' اسے بتا نہیں سکی
لو سو گیا وہ اور کہانی میں کوئی سنا نہیں سکی

حماس، الفتح کشیدگی

میاں علی رضا

جب سے ان امن معاہدوں کا دور شروع ہوا ہے الفتح اور اسرائیل کے درمیان کوئی تنقیدی زبان استعمال نہیں کی گئی۔ دونوں جماعتوں کو ایک کرنے میں یورپ اور امریکہ سرگرم عمل ہیں۔ اگر مقبوضہ فلسطین کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو حقیقت میں اب مقبوضہ فلسطین میں اصلی لڑائی الفتح اور حماس کے درمیان ہے۔ ان کے درمیان کشیدگی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ ایک طرف امن معاہدے ہو رہے ہیں یعنی یورپ اور اسرائیل صرف الفتح کو اعتماد میں لے رہے ہیں یا لے چکے ہیں اور دوسری طرف حماس اور الفتح کے درمیان کشیدگی زور پکڑ رہی ہے۔

تاریخی اعتبار سے حماس اور الفتح دو الگ نظریات رکھنے والی فلسطینی نمائندہ جماعتیں ہیں۔ الفتح کا قیام 1960ء سے عمل میں آیا۔ یہ فلسطین کی سیکولر جماعت ہے جو کہ درپردہ اسرائیل کے مذموم عزائم کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ 1960ء کی دہائی سے یہ فلسطین کی نمائندہ جماعت رہی ہے لیکن اس کے کھاتے میں 60 سال گزرنے کے بعد بھی کوئی مثبت پیش رفت اور فلسطینی مقاصد کی تکمیل کا کوئی حصہ نہیں آیا۔ اس کی وجہ اس جماعت کی قیادت ہے جو یاسر عرفات سے شروع ہو کر محمود عباس تک آتی ہے۔ یاسر عرفات مسلسل وائٹ ہاؤس کا دورہ کیا کرتے تھے۔ بش اور یاسر عرفات کے درپردہ عزائم تو میڈیا کی نظر میں نہیں آئے مگر حقائق نے ثابت کر دیا کہ الفتح کو حکم نامہ وائٹ ہاؤس سے ہی جاری ہوتا ہے۔

اگر فلسطین میں حقیقی معنوں میں کوئی جماعت ہے تو وہ حماس ہے۔ حماس کا قیام 1987ء میں عمل

میں آیا۔ حماس مکمل طور پر اسلامی ہے کیونکہ یہ جماعت عرب کی مشہور مسلم نمائندہ جماعت ''اخوان المسلمون'' سے متاثر ہے۔ حماس مسلسل 20 سال سے اسرائیل اور الفتح دونوں سے مزاحمت کر رہی ہے۔ حماس کے ایجنڈے میں مقبوضہ فلسطین 100 فیصد فلسطین کے مسلمانوں کا ہے مگر الفتح کا کارنامہ تاریخ ساز تھا جب اس نے فلسطین کو تقسیم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کے مطابق فلسطین کا 77 فیصد علاقہ اسرائیل اور صرف 23 فیصد علاقہ فلسطین کے مسلمانوں کے پاس رہے گا۔ 77 فیصد فلسطینی سرزمین اسرائیل کے لیے بیش قیمت تحفے سے کم نہیں۔ حماس اور الفتح کے درمیان اصل کشیدگی کا آغاز بھی اس متنازعہ معاہدے کے بعد ہوا ہے۔ جنوری 2006ء میں ہونے والے الیکشن میں عوام کا جھکاؤ کھل کر سامنے آ گیا اور حماس نے واضح اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل کی مگر اسرائیل کے لیے یہ ناقابل قبول تھا۔ حالات کو کشیدہ کرتے کرتے حماس کو حکومت بنانے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور پی ایل او کا صدر محمود عباس بن گیا۔ کاغذات میں صدر تو محمود عباس ہے لیکن حکم نامہ ایہود اولمرٹ (اسرائیلی صدر) کا ہی چلتا ہے۔

الیکشن میں حماس نے 80 فیصد ووٹ اور 90 فیصد سیٹیں پارلیمنٹ میں حاصل کی تھیں مگر پھر بھی حکومت نہ بنا سکی۔ اس کی وجہ الفتح اور اسرائیل کے عزائم کو خطرہ تھا۔ الفتح کو PLO کی حمایت حاصل ہے عوام کی نہیں لیکن فلسطین میں ''حماس'' کو عوامی حمایت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ عرب تنظیم اخوان المسلمون کی بھی باقاعدہ حمایت حاصل ہے۔ اگر حماس نہ ہوتی تو اس وقت تک الفتح فلسطین کو پلیٹ میں سجا کر کب کا اسرائیلی حکام کے حوالے کر چکی ہوتی اور فلسطینی عوام اس کے قبضے میں ہوتے۔

حماس نے فلسطین کی سیاست میں حال ہی میں حصہ لیا اور عوامی حمایت حاصل کر لی جس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطینی عوام کے دل میں حماس کے لیے پہلے ہی سے الفت اور محبت موجود تھی۔ کہا جا رہا ہے کہ حماس کو ایران کی حمایت بھی حاصل ہے اور حماس فلسطین میں ایران کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہے۔ درحقیقت یہ درست نہیں کیونکہ حماس کا صرف ایک ہی ایجنڈا ہے کہ فلسطین کا سارا علاقہ فلسطین کے عوام

کی ملکیت ہے اور یہ صرف اس کا ہی حق ہے۔ حماس کا عرب لیگ کی حمایت کرنا کوئی عجوبہ نہیں کیونکہ عرب لیگ حماس کو دہشت گرد جماعت تصور نہیں کرتی۔ الفتح کی امداد سے یورپ اور امریکہ نے حماس کو دہشت گرد جماعت قرار دیا ہے۔ اگر حماس دہشت گرد جماعت ہے تو اسے 90 فیصد عوام کی حمایت کیوں حاصل ہے؟ اس طرح تو 90 فیصد عوام بھی دہشت گرد ہوئے۔ بالفاظ دیگر سارا فلسطین دہشت گرد ہے سوائے الفتح کے۔ تاریخ گواہ ہے کہ الفتح واحد مسلم جماعت ہے جس کو کبھی بھی مغرب کی طرف سے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

مغربی تجزیہ نگاروں کے مطابق دونوں جماعتوں کا مقصد ایک ہے مگر طریقہ کار مختلف ہے۔ یعنی حماس والے طاقت کے بل پر عزائم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور الفتح والے مذاکرات کے ذریعے۔ مگر 60 سال تک مذاکرات کے ذریعے یہی حل ہوا ہے کہ 77 فیصد علاقہ اسرائیل کو مل چکا ہے اور باقی 23 فیصد بھی الفتح کوشش کر رہی ہے کہ اسرائیل کو مل جائے۔ حماس اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم نہیں کرتی لیکن الفتح عرب لیگ سے زیادہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کا احترام کرتی ہے۔ الفتح کے ایجنڈے میں یہ بات واضح موجود ہے کہ فلسطین پر جتنا حق فلسطینی مسلمانوں کا ہے اتنا ہی حق اسرائیلی عوام کا بھی ہے۔ الفتح اسرائیل کو تسلیم کر چکی ہے جبکہ حماس نے اسے نہ تو تسلیم کیا ہے اور نہ ہی کرے گی۔ دونوں جماعتوں میں یہی فرق ہے۔

1967ء کی جنگ کی ناکامی کی وجہ سے اسرائیل نے غزہ کی پٹی، مغربی کنارے اور بیت المقدس کا کچھ حصہ ہاتھ سے کھو دیا جس کو وہ اپنی ناکامی سمجھتے ہیں یعنی اسرائیل کا مقصد پورے فلسطین پر قبضہ کر کے امریکہ کو تیل کے ذخائر کے قریب تر لانا ہے جو کہ حماس کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں۔ حماس ایک منظم جماعت ہے جس کو اپنے ایجنڈے کا واضح پتہ ہے اور وہ اس پر مکمل ایمان داری سے عمل کر رہی ہے۔ شیخ یاسین کی شہادت اسرائیل نے کروائی لیکن اس میں الفتح کا ہاتھ بھی شامل تھا۔ الفتح کے مطابق شیخ یاسین کی شہادت کے بعد حماس ختم ہو جائے گی مگر نتائج اس کے بالکل برعکس نکلے۔ سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ عرب خطے میں الفتح کی بجائے حماس اتنی مشہور کیوں ہے؟

پورے عرب خطے میں حماس، حزب اللہ کی طرح مشہور اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اس کا تنظیم اخوان المسلمون سے تعلق ہونا بھی سمجھا جاتا ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ حماس اپنے آپ کو پورے عرب کے مسلمانوں کی واحد جماعت سمجھتی ہے جو قرآن وسنت کے مطابق جہاد کے راستے پر گامزن ہے۔ حماس کا ہر دلعزیز ہونا کوئی پروپیگنڈا نہیں بلکہ حماس کا عوام کی بھلائی اور اسلام کی بالادستی کے لیے کام کرنا ہی اسے مقبول کرتا ہے۔

الفتح کو صرف مغربی سپورٹ اور ہمدردی حاصل ہے۔ حقیقت میں مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے کارآمد ہتھیار اسرائیل ہے اور اسرائیل کا نیوکلیئر ہتھیار الفتح ہے۔ خبروں میں اسرائیل اور الفتح کے درمیان جھڑپوں کی نہیں بلکہ حماس اور الفتح کے درمیان جھڑپوں کی خبریں مشہور ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل نے حماس کا زور توڑنے کے لیے الفتح کو مضبوط کیا اور حماس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ الفتح درپردہ یورپ، امریکہ اور اسرائیل کی حمایت یافتہ واحد مسلم جماعت ہے۔ عرب لیگ کے کسی بھی معاملے میں اسرائیل کی غیر موجودگی الفتح پوری کرتی ہے اور الفتح ہی کی وجہ سے اسرائیل خطے میں من مانی کر رہا ہے۔

حماس ہی واحد جماعت ہے جو اسرائیل کے خلاف اس خطے میں مزاحمت کر رہی ہے۔ الفتح تو امن کے نام پر اسرائیل کی نمائندگی کر رہی ہے۔ فلسطین میں مظلوم فلسطینیوں پر مظالم اور قتل وغارت میں الفتح کا بڑا ہاتھ رہا ہے کیونکہ اسرائیلی جب چاہتے ہیں سرحدی حدود کی خلاف ورزی کر کے خطے کے عوام کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور الفتح حکومتی جماعت ہونے کے باوجود بھی کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی۔ اس کے مقابلے میں حماس ڈٹ کر اسرائیل کے مظالم کا جواب دیتی ہے۔

خطے میں ایک جماعت کے عمل دخل یا حکومت سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ سیکولرازم اور اسلام اکٹھے کبھی نہیں ہو سکتے یعنی حماس اور الفتح میں کبھی بھی حتمی معاہدہ طے نہیں پا سکتا۔ اب یہ بین الاقوامی مسلم برادری پر منحصر ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ حماس کا ایجنڈا درست ہے یا الفتح کی روشن خیالی کی آڑ میں اسرائیل

کی حمایت کرنا درست ہے؟

حماس کو عرب لیگ فنڈز فراہم کرتی ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس کی مدد کرتی ہے جبکہ الفتح کو اسرائیل فنڈز فراہم کر رہا ہے۔ الفتح کو مسلح کرنے سے لے کر ڈالروں تک کی رسائی امریکہ سے اسرائیل کے ذریعے الفتح تک پہنچتی ہے۔

امریکہ یا اسرائیل الفتح کی کیونکر مدد کر رہے ہیں اس بات کا تجزیہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اسرائیل کے مذموم عزائم پر الفتح کاربند ہے اور حماس اسلامی عزائم پر۔ اس وجہ سے اسے عرب لیگ اور عرب ممالک کی مکمل سپورٹ حاصل ہے۔ حماس کا الیکشن یعنی سیاست میں اچانک حصہ لینا اسرائیل کے منصوبے میں شامل نہیں تھا جس کی وجہ سے حماس کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ آج تک حماس کے کسی نمائندے کی اسرائیل کے کسی وفد سے ملاقات یا کوئی معاہدہ طے نہیں پایا۔

حماس کو مغرب کی طرف سے انتہا پسند جماعت کا نام دیا گیا ہے اور اس کا تعلق القاعدہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہر وہ جماعت یا تنظیم جو اسرائیل کے مذموم مقاصد کے راستے میں حائل ہوتی ہے مغرب کی نظر میں وہ دہشت گرد ہے۔ سوڈان میں عمر البشیر کی جماعت پر تنقید اور بین الاقوامی عدالت میں اس کے خلاف وارنٹ کی درخواست اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں مسلم ممالک کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ مسلم ممالک میں موجود تیل کے ذخائر اور قدرتی وسائل ہیں جن کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حماس کے لیڈر کا نام خالد مشعل ہے جو کہ صرف اور صرف فلسطین کے خطے کو اسرائیلی تسلط سے آزاد کروانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ جبکہ الفتح کا محمود عباس اسرائیل کو مقبوضہ فلسطین کا حصہ بنا چکا ہے اور یہ حماس کے لیے ناقابل قبول ہے۔

فرزند دیوبند مولانا فضل الرحمٰن

خالد مسعود خان

محترم خالد مسعود خان روزنامہ جنگ کے کالم نگار اور طنز مزاح میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ کے سنجیدہ طنز کا ایک شاہکار پیش نظر مضمون بھی ہے۔ جس میں دیوبندی سیاسی جماعت جمعیت علماء اسلام کے امیر محترم کی پراسرار شخصیت سے پردہ سرکایا گیا ہے۔ حال ہی میں اسی جمعیت کے ایک اور فرد بے نظیر، مفتی محمود کے نور نظر، فضل الرحمٰن کے بھائی وفاقی وزیر سیاست عطاء الرحمٰن کی نان کسٹم پیڈ لینڈ کروزر پکڑی گئی ہے۔ جس کی مالیت 80 لاکھ روپے ہے۔ اس کے علاوہ فضل الرحمٰن کے جگری دوست 'اسلام آباد میں میزبان' سینٹ میں داخلہ کمیٹی کے سربراہ اور جمعیت کے اہم ترین رکن سینیٹر طلحہ محمود سے کچھ دن قبل عدالت نے ایک بیوہ کا مکان اسے واپس دلوایا ہے۔ جس پر فرزند جمعیت نے قبضہ کر رکھا تھا۔ گویا ان واقعات کے پیش نظر آپ کہہ سکتے ہیں کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے یا......

آتش جوئے گدا جان گدا است
جوئے سلطاں ملک وملت رافنا است

میں بدقسمتی سے دو سادات کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ ایک حسنی سید ہے اور دوسرا حسینی سید ہے لیکن دونوں بخارا سے تشریف لائے ہیں۔ میرے حسنی سید بخاری دوست کا کہنا ہے کہ میں واجب الاحترام جناب مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں کچھ زیادہ ہی "معاندانہ محبت" کا شکار ہوں اور دنیا داری سے قریباً تین نوری سالوں کے فاصلے پر رہنے والے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں ضرورت سے زیادہ لکھتا ہوں۔ میرا یہ حسنی سید بخاری دوست ایک دیوبندی مدرسے کا مہتمم ہے۔ میرا دوسرا دوست حسینی سید بخاری نہ تو دیوبندی ہے اور نہ ہی کسی مدرسے کا مہتمم ہے تاہم ایک سمجھدار آدمی ضرور ہے۔ وہ ہر وقت مجھے اس بات پر برا بھلا کہتا رہتا ہے کہ میں مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے اور سیاست کے نام پر مذہب کا حلیہ بگاڑنے والے گردن گردن تک دنیاداری میں ڈوبے

ہوئے بعض لوگوں کے بارے میں نہایت ہی نرم گوشہ رکھتا ہوں اور انہیں بلاوجہ شک کا فائدہ دے کر بے ایمانی کرتا رہتا ہوں۔

میں کئی دنوں سے اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ آخران دونوں بخاریوں میں سے کس کا موقف درست ہے۔ تاہم مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی قلابازیوں' موقف سے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر پھر جانے کی صلاحیت' اقتدار کے لیے کسی کے ساتھ بھی معاہدہ کر لینے کی خوبی' فوائد کے عوض کسی کو بھی ووٹ دے دینے کا حوصلہ' پرمٹوں کے عوض سیاسی حمایت فراہم کرنے کی فراست' ڈیڑھ صوبوں کی حکومت کے لیے آمریت سے تعاون' افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے عوض سترھویں ترمیم کی حمایت' کشمیر کمیٹی اور ڈیزل کے پرمٹ کے عوض اپنے عورت کی حکومت کے بارے میں دیرینہ موقف سے روگردانی' حالیہ دور میں اقتدار میں حصہ داری کے طفیل لامحدود حکومتی حمایت اور ڈھیلی ڈھالی تنقید کے پیچھے مزید حسن طلب کی خواہش کے باوجود میں کسی نتیجے تک پہنچنے میں متامل تھا کہ اچانک حسینی سید نے ایک نہایت زوردار پوائنٹ سکور کرتے ہوئے سوال کیا کہ آخر مولانا فضل الرحمٰن کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ پھر وہ کہنے لگا کہ ذریعہ آمدنی سے مراد وہ ذریعہ آمدنی بتایا جائے جو ان کے شاہانہ طرزِ زندگی پر پورا اترتا ہو جو ان کی لینڈ کروزروں کا خرچہ برداشت کر سکتا ہو۔ پھر ساتھ ہی مزید شرپسندی پھیلاتے ہوئے کہنے لگا کہ لگے ہاتھوں آپ لوگ مجھے وزیر مذہبی امور و حج سید حامد سعید کاظمی اور وزارتِ عظمیٰ کی نوکری پر فائز ہونے سے پہلے سید یوسف رضا گیلانی کے طرز زندگی سے مطابقت رکھتا ہوا ان کا کوئی معقول و مناسب ذریعہ آمدنی بتا دیں تو میں آپ کو ڈیڑھ سو روپے انعام دوں گا کیونکہ فی الوقت میری جیب میں اتنی ہی رقم موجود ہے اور آج کل میں ادھار کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

میں جب بھی واجب صد احترام حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے دماغ میں شگفتہ نگاروں کے امام العصر مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''آب گم'' کے کردار کابلی والا ایک جملہ آجاتا ہے کہ ''قبلہ والد صاحب نے سات قتل کیے اور سات ہی حج کیے پھر کہنے لگے کہ اب میں

اور قتل نہیں کروں گا کیونکہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھ سے مزید حج نہیں ہوتے''۔ اسی طرح جب بھی مولانا فضل الرحمٰن اپنی سیاسی بصیرت کے طفیل کوئی دنیاوی معرکہ سر کرتے ہیں تو اس رحیم کی حمد و ثناء کے لیے عمرے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر ہمارے حسینی سید دوست کا کہنا ہے کہ وہ اس دنیاوی فائدے سے نفس میں پیدا ہونے والے سرکشی کا دف مارنے کے لیے عمرے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ جب انہوں نے ''حقوقِ نسواں'' بل کے منظور ہو جانے پر حسب وعدہ استعفیٰ نہ دیا تو عوض کے طور پر عمرہ پر روانہ ہو گئے۔ جب لال مسجد والوں کو درندوں کے حوالے کر کے لندن روانہ ہوئے تو اس کے کفارے کے لیے عمرہ پر چلے گئے۔ ڈیڑھ حکومت کے بچانے کے لیے اندرخانے حکومت وقت سے ڈیل کر کے قبائلی علاقوں میں ہونے والے فوجی آپریشن پر خاموشی اختیار کرنے کے بعد حسب معمول عمرہ پر روانہ ہو گئے اور واپسی پر تروتازہ ہو گئے۔ پھر نئی زمینوں اور نئے آسمانوں کے پیچھے لگ گئے۔ وہ ایک نہایت ہی متوازن شخص ہیں جو دین اور دنیا کو نہایت کامیابی کے ساتھ باہم متصادم کیے بغیر نبھا رہے ہیں۔ تاہم ہم امید کر سکتے ہیں کہ کسی روز وہ بھی مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''آب گم'' کے کردار کابلی والا کے والد صاحب کی طرح اس توازن سے اعلان دستبرداری فرما دیں گے۔

آپ نے (میرے علم کے مطابق) اب تک کا آخری عمرہ صدارتی الیکشن میں آصف علی زرداری کی حمایت کے عوض ملنے والے فارم ہاؤسز کی طرز کے بارہ ایکڑ پر مشتمل چار پلاٹوں کو مبلغ 54 کروڑ روپے میں بیچنے کے فوراً بعد کیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے آصف علی زرداری کی صدارت کے لیے اپنی حمایت کو فاٹا اور سوات وغیرہ میں جاری امریکی حملوں کو بند کرنے سے مشروط کیا تھا مگر جس دن انہوں نے آصف علی زرداری کو ووٹ دیا اس دن بھی امریکی ڈرون طیاروں نے وزیرستان میں میزائل داغا تھا اور جس دن عمرے کو روانہ ہوئے اس دن بھی کئی بے گناہ شہری امریکی حملے کی نذر ہوئے تھے۔ انہوں نے محض امریکی حملوں کی زبانی مخالفت اور زرداری صاحب کی عملی حمایت کے طفیل اسلام آباد

﴿بقیہ صفحہ:45﴾

مرزا دجّال کی انگریز دوستی

مولانا محمد عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری

حضرت مولانا عبدالحکیم اختر مجددی مظہری شاہجہانپوری 7 جنوری 1935ء کو شاہجہانپور، دہلی (بھارت) میں چوہدری عاشق علی خان کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نسباً راجپوت تھے۔ روحانی طور پر شیخ کامل حضرت مولانا محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ سے اجازت وخلافت عطا ہوئی۔ آپ اہلسنت وجماعت کے ممتاز مصنف، محقق، مترجم اور شارح تھے۔ قدرت حق نے احادیث نبویہ ﷺ کی خدمت کرنے کا عظیم موقع آپ کو نصیب فرمایا۔ صحیح بخاری شریف، سنن ابوداؤد شریف، مؤطا امام مالک، سنن ابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف آپ کے گرانقدر ترجمہ وحواشی کے ساتھ منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے علاوہ "برطانوی مظالم کی کہانی" آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں 1857ء کے بعد کے حالات کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ مذہبی بہروپیوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں رد قادیانیت پر حضرت علامہ نے گاہے بگاہے زبردست جرح وتنقید کی ہے اور مرزائیت قادیانیت کے خوب تار پور بکھیرے ہیں۔ آپ نے جامعہ غوثیہ مجیدیہ داتا رنج روڈ لاہور میں کئی سال عوام الناس کو علمی واصلاحی خطبات سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا وصال 14 نومبر 1993ء کو ہوا اور نماز جنازہ حاجی محمد افضل چغتائی اشرفی نے پڑھائی۔

دور حاضر کا مسیلمہ، امت کے تیس دجالوں میں سے ایک دجال مرزا قادیانی بھی ہے۔ مرزا نے مجدد اور مصلح کے دعاوی سے سلسلہ شروع کیا۔ دعویٰ نبوت کرنا تو مشہور ہے لیکن خوف خدا اور خطرہ روز جزا کو فراموش کردینے والے اس شخص نے اپنے متعلق خدا ہونے تک کے متعدد دعاوی کیے۔ موت سے پیشتر اس نے اپنے کئی مخالفین کو چیلنج کیا تھا کہ فریقین سے جو بھی جھوٹا اور کذاب ہے اسے خدائے بزرگ وبرتر دوسرے کی زندگی میں ہیضہ یا طاعون ایسے متعددی مرض کے ساتھ ذلیل کرکے مارے۔ مخالفین تو سارے ہی زندہ رہے لیکن ان کی زندگی میں مرزا قادیانی ہی ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہوکر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل ساڑھے دس بجے دن راہی ملک عدم ہوگیا اور اپنے جھوٹا ہونے کا سب کے

سامنے بین ثبوت پیش کرگیا۔ برٹش گورنمنٹ کے آلہ کاروں میں مرزا قادیانی کا مدمقابل سرزمین پاک وہند میں تو کوئی نہیں ہوا چونکہ مرزا قادیانی کو یہ صفت ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ اپنے والد کے بارے میں خود یوں تصریح کی ہے:

"میرے والد کی سوانح میں سے وہ خدمات کسی طرح الگ نہیں ہوسکتیں جو وہ خلوص دل سے اس گورنمنٹ کی خیر خواہی میں بجالائے۔ انہوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ کی خدمت گزاری میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت وہ صدق اور وفاداری دکھائی کہ جب تک انسان سچے دل اور تہہ دل سے کسی کا خیر خواہ نہ ہو ہرگز دکھلا نہیں سکتا"۔ ۱

اپنے والد کے بارے میں دوسری کتاب کے اندر یوں لکھا ہے:

"والد صاحب مرحوم اس ملک کے ممیز زمینداروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ گورنری دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی۔ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے سچے شکر گزار اور خیر خواہ تھے"۔ ۲

ان کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فخریہ انداز میں ایک جگہ یوں بھی رقمطراز ہے:

"سن ستاون (یعنی ۱۸۵۷ء) کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کرکے ملک میں شور ڈال دیا، تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کرکے اور پچاس سوار پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیے اور پھر ایک دفعہ سو سواروں سے خدمت گزاری کی۔ انہیں مخلصانہ خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ میں ہردلعزیز ہوگئے۔ چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار میں عزت کے ساتھ ان کو کرسی ملتی تھی اور ہر ایک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے"۔ ۳

اپنے بڑے بھائی مرزا غلام قادر کی انگریز دوستی کے بارے میں موصوف نے یوں تصریح کی ہے:

---

۱ شہادت القرآن، صفحہ: ۸۴
۲ ازالہ اوہام، صفحہ: ۵۰
۳ شہادت القرآن، صفحہ: ۸۴

"اس عاجز کا بڑا بھائی مرزا غلام قادر جس قدرت تک زندہ رہا اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم بقدم اور گورنمنٹ کی مخلصانہ خدمت میں بہ دل و جان مصروف رہا"۔ ۱؎

مرزا قادیانی خود جہاد کے سخت خلاف اور برٹش گورنمنٹ کا نمبر ایک آلہ کار تھا۔ اس امر کا اعتراف موصوف نے اپنے لفظوں میں یوں کیا ہے:

میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں' اپنی زبان اور قلم سے اہم کام میں مصروف ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ سے دور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں"۔ ۲؎

دوسری جگہ انگریزوں کی حمایت اور جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

"میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت (برٹش گورنمنٹ) کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی (امام مہدی علیہ السلام) اور مسیح خونی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی بے اصل روایتیں (جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں) اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل (جو حکم خدا اور عمل وارشاد مصطفیٰ ﷺ) جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں' ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں"۔ ۳؎

موصوف نے انگریزی حکومت کے استحکام کی خاطر اس کی حمایت میں جہاد کے خلاف بے شمار کتابیں لکھیں اور اشتہار شائع کرائے اور اپنے اس اسلام دشمنی کے کارنامے پر یوں فخر کرتا ہے:

"میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں"۔ ۴؎

انگریزی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو برٹش

۱؎ شہادت القرآن' صفحہ: ۸۴ — ۲؎ تبلیغ رسالت' جلد: ۷' صفحہ: ۱۰

۳؎ تریاق القلوب' صفحہ: ۲۵ — ۴؎ ایضاً

گورنمنٹ کے مفاد کی خاطر ٹھنڈا کرنے کی غرض سے مرزا قادیانی نے تحریری طور پر جو کچھ کیا اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

"مجھ سے سرکار انگریز کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں اور بلاد اسلام میں شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کریں اور دل سے اس حکومت کے شکر گزار اور دعا گو رہیں اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو' فارسی' عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں' مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے مختلف شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا"۔ ۱؎

جس طرح اپنے دور میں جعفر بنگال اور صادق دکن ممتاز تھے اور اپنے سیاہ کارناموں کو سرمایہ افتخار سمجھا کرتے تھے اسی طرح اپنے پیش رو حضرات سے مرزا قادیانی ملت فروشی یا دین فروشی میں کم تھوڑا ہی رہ گیا تھا کہ وہ فخر نہ کرتا بلکہ معلوم تو یوں ہوتا ہے کہ موصوف اپنے میدان کے سارے کھلاڑیوں کو مات دے کر سب سے ممتاز ہو گیا تھا۔ اسی اسلام دشمنی اور ملت فروشی کے باعث اسے خود احساس تھا کہ کسی بھی اسلامی ملک میں کوئی مسلمان حکمران اس کے وجود کو برداشت نہ کر سکے گا اور برٹش گورنمنٹ کے ماتحت اور اس کی سرپرستی میں جو یہ عظیم فتنہ پرورش پا رہا ہے اسلامی حکومت اسے جڑ سے اکھاڑے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت کا خود مرزا قادیانی نے علی الاعلان اور بغیر کسی ہیر پھیر

۱؎ ستارۂ قیصرہ' صفحہ: ۷

کے یوں اعتراف کیا ہے:

"خدا نے اپنے فضل خاص سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہم کو حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے اور نہ مدینہ منورہ میں اور نہ سلطنت روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ میں"۔ ۱

دوسری جگہ موصوف نے اور وضاحت سے اسی امر کا واشگاف اعتراف یوں کیا ہے:

"اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصر ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے اگرچہ وہ اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی"۔ ۲

مرزا قادیانی اس امر کا بھی معترف ہے کہ اسے ملکہ وکٹوریہ کے حکم سے نبی بنایا گیا تھا۔ نبی بنانے والے گورنر جنرل یا وائسرائے کا نام چونکہ انہوں نے تحریر نہیں کیا لہٰذا اس کے ذکر کو چھوڑ کر ملکہ برطانیہ کے متعلق بیان ملاحظہ فرمائیں:

"اے بابرکت قیصرۂ ہند! تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ خدا کی رحمت کا سایہ اس رعایا پر ہے۔ جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے"۔ ۳

"مرزا قادیانی کو ملکہ وکٹوریہ کے جس ماتحت حاکم نے نبی بنایا تھا اس سے اس کا مقصود کیا تھا اور مرزا کو کس ڈیوٹی پر معمور کیا گیا تھا؟ موصوف نے اس سوال کا جواب خود یوں دیا ہے:

"اس نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق جو مسیح موعود کے آنے کی نسبت تھا آسمان سے مجھے بھیجا

۱ تریاق القلوب، صفحہ:۲۶ ۲ تحفہ قیصریہ، صفحہ:۲۷

۳ ستارۂ قیصرہ، صفحہ:۱۵

تا کہ میں اس مرد خدا کے رنگ میں ہو کر جو بیت اللحم میں پیدا ہوا اور ناصریہ میں پرورش پائی، حضور ملکہ معظمہ کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول رہوں"۔ ۱

مرزا قادیانی کو اعتراف تھا کہ وہ انگریز حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اسی لیے خود کو نبی کے طور پر پیش کرنے والوں کی خدمت میں اپنی خدمات یاد دلا کر یوں دست بستہ عرض پرداز ہے کہ:

"التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار، جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کا خیر خواہ اور خدمت گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت عزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کو ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت و مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ۲

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

﴿بقیہ صفحہ:39﴾

میں چار "ایگر و فارمز" کا قرعہ بھی درانی صاحب کے نام پر نکلوالیا اور پھر فاٹا کی صورت حال پر بند کمرے میں ہونے والے اسمبلی کے اجلاس میں اپنی جذباتی تقریر پر فاٹا کے ایک سینیٹر سے مبلغ ایک لاکھ روپے کا نقد انعام بھی حاصل کر لیا۔ ہمارا حسینی سید بخاری دوست مولانا کی اس ایک لاکھ روپے کی جائز آمدنی پر خوشیاں منا رہا ہے اور حسنی سید بخاری مولانا کی چار پلاٹوں کی کارکردگی پر ناراض ہے۔ آپ یقین کریں میں اس معاملے میں بہرحال مکمل غیر جانبدار رہوں۔

۱ ستارۂ قیصرہ، صفحہ:۱۰ ۲ تبلیغ رسالت، جلد:۷، صفحہ:۱۹

ایم کیو ایم اور اسرائیلی فوج میں قادیانی

ڈاکٹر شاہد قریشی

ڈاکٹر شاہد قریشی انگلینڈ کے کہنہ مشق' ایوارڈ یافتہ اور تحقیقی جرنلسٹ ہیں۔ سیکورٹی پالیسی' خارجہ پالیسی اور دہشت گردی ڈاکٹر صاحب کے خاص موضوعات ہیں۔

ایک یہودی پروفیسر آئی ٹی ناؤمی کی کتاب ''اسرائیل اے پروفائل'' کے مطابق: ''پاکستان کی فوج میں موجود قادیانیوں کی تعداد سے زیادہ قادیانی اسرائیل کی مسلح افواج میں خدمت انجام دے رہے ہیں اور پاکستان کے 600 سے زیادہ قادیانی اس اسرائیلی فوج میں ملازمت کر رہے ہیں۔'' بہت سے تجزیہ نگاروں کے مطابق ''قادیانی ہمیشہ ایک باقاعدہ سیاسی مسئلہ اور نقصِ امن کا باعث بنتے رہے ہیں؟''

ہندوستان میں کارگل جنگ کے دوران قادیانیوں نے بھاری مقدار میں چندہ جمع کر کے بھارت کو عطیہ کیا تھا۔ 15 فروری 1987ء میں پاکستانی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان نے قومی اسمبلی میں انکشاف کیا تھا کہ پاکستانی مسلح افواج میں اعلیٰ عہدوں پر 328 قادیانی افسر متمکن ہیں۔ وزیر خارجہ کی رپورٹ کے مطابق فوج میں 1 لیفٹیننٹ جنرل' 5 بریگیڈیئرز اور ائیرفورس میں اسی رینک کا ایک افسر' فوج میں 10 کرنل نیوی میں 2 اور ائیرفورس میں 3' فوج میں 56 کیپٹن نیوی میں 5 اور ائیرفورس میں 14 قادیانی بھرتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ یہودی مصنف کے مطابق 600 قادیانی اسرائیلی مسلح افواج میں ملازمت کر رہے ہیں تو اس رپورٹ کے مطابق 328 قادیانی پاکستان فوج میں ہیں۔

ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز قادیانی رہنما نے مجھ سے کہا کہ ''تم کراچی میں امن قائم رکھنا چاہتے ہو تو قادیانیوں کو امن فراہم کرو''۔ سوال یہ ہے کہ اب 20 سال کے بعد وہ اعلیٰ (پاکستانی) قادیانی فوجی

افسران کہاں ہیں اور اب وہ کون کون سے اعلیٰ مراتب پر پہنچ چکے ہیں اور پاکستانی مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں میں ان کا موجودہ مقام کیا ہے؟ ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا کہ قادیانیت کو سیاسی وجوہات کی بناء پر معرضِ وجود میں لایا گیا تھا تا کہ اس سے مسلمانوں کو خصوصاً عقیدۂ جہاد کے بارے میں ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جائے۔''

طارق عزیز (پرویز مشرف کا سیکرٹری) جو مبینہ طور پر قادیانی تھا۔ وہ رحمٰن ملک (وفاقی مشیر داخلہ) کا رشتہ دار اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی نیشنل سیکورٹی کونسل کا ایڈوائزر تھا۔ اب اس کی بھارت کے ساتھ ٹریک ٹو پالیسی کے لیے خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔ اس کا عہدہ اور تنخواہ ایک وفاقی وزیر کے برابر ہوگا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی مبینہ طور پر ذوالفقار علی بھٹو کے 7 ستمبر ۱۹۷۴ء کی پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے والے فیصلہ کو کالعدم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں ایک قرارداد لانے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔

۸ ستمبر ۲۰۰۸ کو ایم کیو ایم کے بانی و قائد الطاف حسین نے کہا کہ ''ایم کیو ایم کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش کی جا رہی ہے۔ جس میں لوگوں' مساجد اور امام باڑوں میں ای میلز اور فیکس بھیجی جا رہی ہیں جن میں احمدیوں (قادیانیوں) اور شیعوں کے خلاف نفرت پھیلائی جا رہی ہے۔ ایم کیو ایم کا تاثر خراب کرنے کے لیے غلط طور پر ایسی منظر کشی کی جا رہی ہے کہ گویا ایم کیو ایم شیعوں اور احمدیوں (مرزائیوں' قادیانیوں) کے خلاف ہے۔''

الطاف حسین نے قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد قادیانی کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ حیرت کی بات ہے کہ الطاف نے اس کے جنازے میں کیوں شرکت نہیں کی؟ اگر دوسرا قبول کرے تو خوش اخلاقی سے کسی کی بھی تعزیت کی جا سکتی ہے لیکن سر ظفر اللہ خان (سابق وزیر خارجہ) نے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ الطاف حسین نے قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے لیکن کیا وہ اس کی تعزیت قبول کر لیں گے؟

''امپیکٹ میگزین'' لکھتا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کو ایک غیر ضروری اور عرصہ سے چلے آنے والے اختلاف کو ختم کرنا تھا اور اس فیصلہ سے آئین کو ایک حقیقی دستوری شکل دیا جانا مقصود تھا۔ مسئلہ صرف اس وجہ سے نہیں پیدا ہوا تھا کہ راسخ العقیدہ اور انتہائی کٹر مسلمان کسی ایک گروہ کو کافر قرار دلانا چاہتے تھے بلکہ اس کا اصل سبب قادیان کے مرزا غلام احمد قادیانی کا مسیح اور پیغمبر ہونے کا وہ دعویٰ تھا جس کے نتیجہ میں مرزا پر ایمان نہ لانے والوں (یعنی مسلمانوں) کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے متعلق قادیانی نقطہ نظر کو قادیانیوں کے تیسرے سربراہ مرزا محمود احمد قادیانی نے مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''ہماری عبادت غیر احمدیوں سے الگ ہو چکی ہے۔ ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کے رشتے انھیں دیں اور ان کے مر جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کریں تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کرنے کے لیے کیا کام باقی رہ جاتا ہے؟ تعلقات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک مذہبی دوسرے دنیاوی۔ آپس کی محبت کا بڑا اظہار مشترکہ عبادت اور باہمی دنیاوی معاملات سے ہوتا ہے۔ تعلقات اور شادی خاندان کو جوڑے رکھنے کی شرائط ہوتی ہیں لیکن ہمارے لیے ان دونوں امور کو حرام دیا گیا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہمیں تو ان کی بیٹیوں کے رشتے کرنے کی اجازت ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں تو عیسائیوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کی اجازت ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر احمدیوں کو سلام کیوں کرتے ہیں؟ تو میرا جواب یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کا فرمان ہے کہ یہودیوں کو بھی سلام کرو۔ چنانچہ ہمارے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نے ہمیں ہر ممکنہ طریقے سے دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ اب کوئی ایسا تعلق باقی نہیں ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو اور ہمیں اس سے منع نہ کر دیا گیا ہو۔''[1]

۱۹۳۵ء میں فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال نے انگریزوں سے قادیانیوں کو الگ امت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ قادیانیوں نے اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اور سماجی تعلقات

[1] ریویو آف ریلیجنز

نہ رکھنے کی پالیسی اپنائی ہے لیکن وہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے لیے متذبذب ہیں۔ وہ مسلمانوں سے (سیاسی) علیحدگی اختیار کرنے میں پہل نہیں کریں گے کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی قلیل تعداد (۵۶۰۰۰) کی وجہ سے انہیں کسی بھی اسمبلی کی ایک نشست بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قادیانیوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا ہے کہ ''پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ان کے حقوق بھی تسلیم کیے جانے چاہئیں۔''[1]

بشیر احمد اپنی کتاب Ahmedia Movement میں لکھتے ہیں کہ: یہ معروف بات ہے کہ جب ۱۹۵۵ء میں شریف احمد قادیانی کو اسرائیل سے واپس (ربوہ) پاکستان بلا لیا گیا تو جلال الدین قمر جو کہ ایک قادیانی مبلغ تھا اور ۱۹۵۶ء سے اسرائیل میں خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ تمام قادیانی مبلغین جو ۱۹۲۸ء سے اسرائیل میں متعین رہے تھے مثلاً جلال دین شمس، اللہ دتہ جالندھری، رشید احمد چغتائی، نور احمد اور چودھری شریف احمد (یہ سب) اسرائیل سے آجانے کے بعد ربوہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب وہ اسرائیل میں تھے ان کے خاندانوں کے اسرائیلی حکومت کے ساتھ پراسرار روابط استوار تھے۔''

جہاں تک یہودیوں کی اعانت و تعاون کی بات ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب ''Our Foreign Missions'' کے صفحہ ۷۹ پر اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ: ''اسرائیل میں احمدیہ مشن حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد، مشن ہاؤس، لائبریری، بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔''

ایک تازہ رپورٹ کے مطابق: الطاف حسین کو بیرونی عناصر بشمول بھارت سے ہدایات دی جا رہی ہیں اور الطاف حسین کی امریکی سفارت کار روبن رافیل کے ساتھ بھی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ''ملی گزٹ ڈاٹ کام'' کے مطابق الطاف حسین کا یہ بھی کہنا ہے کہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد قرار دیا جائے۔ جس سے یہ لگ رہا ہے کہ وہ کشمیر پر بھارت اور امریکہ کے موقف کی پیروی کر رہے ہیں۔

[1] Al Fadhil، ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء

سرد جنگ کے دور کے بعد امریکی پالیسی ساز بڑھتی ہوئی جارحیت کے ساتھ کشمیر میں ڈکسن پلان کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ وہ منصوبہ کے مطابق اس خطے میں قدم جمانے کا حتمی ہدف حاصل کرنے کی خاطر کشمیر کو ایک بڑا آپریشن سٹیشن بنانا چاہتے ہیں۔

امریکہ کی اس خطے میں سرگرمیوں کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا سودمند ہوگا کہ ڈکسن پلان کا تانا بانا کیا ہے؟ اس منصوبہ کے موجد کا نام سراوون ڈکسن تھا جو کہ ۱۹۵۰ء میں اقوام متحدہ کا نمائندہ برائے بھارت و پاکستان تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ کشمیر کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اس منصوبے کی حمایت کی لیکن اسے شروع نہ کیا جاسکا کیونکہ اس وقت کے پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خان نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ امریکی پالیسی سازوں نے اسی منصوبے کو کچھ اصلاح کے بعد حالیہ برسوں میں دوبارہ پیش کیا ہے۔ جس کے پہلے مرحلہ میں لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر کے مختلف طرح سے قابل بحث بنایا جارہا ہے۔

ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا ہے کہ: الطاف حسین کی قادیانیوں کے ساتھ حالیہ قربت محض اتفاق نہیں ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ کراچی میں خانہ جنگی کرانا یا ملک کی معیشت کو مفلوج کرنا چاہتا ہے؟ اگر الطاف حسین یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو حکومت پاکستان الطاف کی پاکستان کو سپردگی کے لیے برطانوی حکومت سے مطالبہ کرے اور اس کے نام نہاد "بین الاقوامی سیکریٹریٹ کی بندش" اور ایم کیو ایم کے فنڈز کی جو لندن، دبئی، کینیا، ساؤتھ افریقہ، تنزانیہ اور کینیڈا وغیرہ میں موجود ہیں ان کی بین الاقوامی تحقیقات کے آغاز کا مطالبہ کرے۔ بصورت دیگر نیٹو اور اتحادی فوج کو محفوظ راستہ دینا، ان کی 80 فیصد سپلائی کو بحال رکھنا اور 40 فیصد تیل کو کراچی پورٹ سے دیا جانا ممکن نہیں رہے گا۔ امریکہ اور اتحادی افواج کو اب دنیا کو بتا دینا چاہیے کہ دراصل ان کے افغانستان میں کیا عزائم ہیں؟ [1]

۱۔ لندن پوسٹ، یکم اکتوبر ۲۰۰۸

ہے ہر اک اہل سنت پاسباں ختم نبوت کا
مجاہد ہے ہر اک پیر و جواں ختم نبوت کا

وہ جس کے علم نے میدان سے دوڑایا "مرزے" کو
ہے شاہِ گولڑہ، کوہ گراں ختم نبوت کا

دعا جس کی گری تھی برق بن کر جانِ مرزا پر
خدا کا شیر[1] وہ برق تپاں ختم نبوت کا

ترپن ۱۹۵۳ء میں چلی تحریک جب سارے مکاتب کی
تھا بوالحسنات میر کارواں ختم نبوت کا

چوہتر ۱۹۷۴ء میں چلی تحریک جب قومی اسمبلی میں
مرا قائد[2] تھا امیر کارواں ختم نبوت کا

وہ پیکر جاہ و حشمت وہ نیازی مرد میداں کا
تھا اپنی ذات میں وہ کارواں ختم نبوت کا

مجاہد بے ریا جس نے بنا ڈالی "فدایاں" کی
وہ صوفی باصفا ایاز خاں ختم نبوت کا

۱۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ
۲۔ قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

مقام مصطفیٰ کی عظمتوں کے منکرو سن لو
تمہارا کام ہے سب رائیگاں ختم نبوت کا
فدائی مصطفیٰ کا اور نظام مصطفیٰ کا
وہی سچا فدائی ہو گا ہاں ختم نبوت کا
ہمارا واعظانِ خوشنوا کو مشورہ ہے کہ
ہو کم سے کم ماہانہ اک بیاں ختم نبوت کا
خریدو شوق سے یہ "العاقب" سب سنی
ہے یہ سنی جریدہ ترجماں ختم نبوت کا
الٰہی اپنی رحمت سے، شہیدوں کے وسیلے سے
سعیدؔی کو بنا دے نغمہ خواں ختم نبوت کا

﴿بقیہ صفحہ:61﴾

آٹھویں ترمیم ختم کروانے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ قادیانی جماعت یہ سمجھتی تھی کہ آٹھویں ترمیم ختم ہونے سے ہمارا متعلقہ آرڈیننس بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا لہٰذا قادیانی جماعت آٹھویں ترمیم پر توجہ دلاتی رہی۔ کوئی بھی صدر آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھا کیونکہ ان کے اختیارات کم ہوتے تھے اور کوئی وزیراعظم اتنا مضبوط نہ تھا کہ وہ اپنی بات منوا سکتا۔ 1997ء میں نواز شریف کے بھاری مینڈیٹ نے آٹھویں ترمیم کو ختم کر دیا مگر قادیانی جو تیرہ سال سے کسی مسیحا کی تلاش میں تھے اور آٹھویں ترمیم کے ختم ہونے کے انتظار میں بھی گیارہ سال گزار چکے تھے ان کو سخت مایوسی ہوئی۔ آٹھویں ترمیم تو ختم ہو گئی مگر جنرل ضیاء مرحوم کی قادیانیوں کے خلاف کی گئی کاروائی ختم نہ ہو سکی۔

قادیانی پاکستان میں 1953ء، 1974ء اور 1984ء میں شدید قسم کی مار کھا چکے ہیں مگر ابھی تک وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہمارا کیا بگڑا ہے مسلم سے غیر مسلم تک چلے جانا کوئی نقصان نہیں۔ اب ایک بار پھر وہ امت مسلمہ کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ہم بہت زیادہ ترقی کر رہے ہیں اور اب ایک سال میں کروڑوں لوگ قادیانی ہو رہے ہیں۔ اس سے قادیانیوں کا مورال بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی للکار میں شدت آ رہی ہے گویا وہ بار بار بزبان حال کہہ رہے ہیں کہ "اب کے مار"۔

قادیانیوں کی ڈھٹائی

پروفیسر منور احمد ملک

پروفیسر منور احمد ملک طویل عرصہ اہم قادیانی عہدوں پر فائز رہے اور بالخصوص جہلم میں انگریز کے خود کاشتہ پودے کی آبیاری میں خوب سرگرم رہے ہیں۔ 1999ء میں اللہ رب العزت نے موصوف اور ان کے خاندان پر ہدایت کے دروازے کھولے اور پروفیسر صاحب بمع اہل وعیال حضور پرنور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے دامنِ کرم سے مستقل وابستہ ہو گئے۔ بچپن، لڑکپن اور جوانی کے شب و روز قادیانیت میں گزارنے اور اہم تنظیمی مناصب پر فائز رہنے کے بعد قادیانیت پر آپ کی فکر و سوچ کی گہرائی محتاج تعارف نہیں۔ بہر کیف وہ جسد خاکی جو کبھی مسلمانوں کو قادیانیت کے دامِ فریب میں پھنساتا تھا اب اسی قادیانیت کے تانے بانے جدا کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔

درج ذیل مضمون میں محترم پروفیسر صاحب نے مرزائیوں / قادیانیوں کے مکروفریب اور ہٹ دھرمی کا نہایت احسن انداز میں پردہ چاک کیا ہے۔ پیش نظر مضمون میں جہاں قادیانیوں کے مکروفریب کو بیان کیا گیا ہے وہیں قادیانیوں کی سوچ، پالیسی، کام کرنے کے انداز، سازشوں اور شرارتوں کو دلچسپ پیرائے میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

کہتے ہیں کہ کسی ہندو بنئے کا کسی مسلمان سے جھگڑا ہو گیا بنیا خاصا کمزور اور دبلا پتلا مگر بڑا غصیلا اور اکڑ والا تھا جبکہ مسلمان طاقتور اور پہلوان قسم کا تھا۔ مسلمان نے بنئے کو نیچے گرا کر گھونسوں اور مکوں سے خوب ٹھکائی کی۔ جب اسے چھوڑا تو بنیا کھڑا ہوا، کپڑے جھاڑے اور مسلمان کو للکارتے ہوئے کہنے لگا "اب کے مار" یعنی اب مجھے مار کر دیکھو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب تم نہیں مار سکتے اگر مارو گے تو خوب جواب بھی ملے گا۔ پہلوان نے دوبارہ اسے "گھٹنوں" کے نیچے لیا اور ایک بار پھر مکوں کی بارش کر دی۔ جب خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں گلے ہی نہ پڑ جائے تو اسے چھوڑ دیا۔ بنیا بمشکل سیدھا ہوا اور پھر للکار کر کہنے لگا "اب کے مار"۔ پہلوان نے تیسری بار اس کی للکار کا جواب دیتے

ہوئے اس کی آکڑ کو نچوڑ ڈالنے کی غرض سے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی۔ اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ اس دفعہ 302 کا کیس نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ جب اس نے بٹنے کو چھوڑا تو وہ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا مگر پھر للکار دی کہ ''اب کے مار''۔

اس طرح یہ قول بطور محاورہ ہو گیا کہ مار بے شک پڑے پلے کچھ نہ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد 1947ء تا 1953ء قادیانی جماعت نے پاکستان میں اچھی خاصی جگہ بنا لی تھی۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ظفر اللہ خان قادیانی تھا۔ فوج کا سینئر آفیسر جنرل نذیر احمد قادیانی تھا۔ قیام پاکستان سے قبل کے 50 سالوں میں قادیانی جماعت نے سادہ لوح قادیانیوں سے چندے اکٹھے کر کے خوب دولت اکٹھی کر لی تھی اور اس دولت کو لے کر قادیانیت پاکستان میں داخل ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد سر ظفر اللہ مرتد کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے کلیم در کلیم کیش کروائے۔ مرزا قادیانی کے خاندان کے تمام شہزادوں کو جاگیر دار بنا دیا گیا۔ قادیانی جماعت نے خود بھی زمین حاصل کی اور اپنا ایک علیحدہ شہر تیار کرنے کے لیے ربوہ (چناب نگر) کے نام سے شہر آباد کیا جس میں قادیانی جماعت کی حکومت تھی۔ اس طرح قادیانیوں نے اپنا اچھا خاصا وزن پاکستان میں بنا لیا۔

1953ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک ختم نبوت کے ذریعہ عوام الناس کو قادیانیت کے بارے میں سمجھنے کا موقع ملا اور عوام میں بیداری پیدا ہوئی۔ عام مسلمانوں کو علماء نے تحریر و تقریر سے باور کروایا کہ قادیانی نہ صرف غیر مسلم بلکہ گستاخ رسول بھی ہیں۔ اس طرح قادیانیوں کے خلاف خاصی نفرت پیدا ہونے لگی۔ قادیانی اپنے وزن کی وجہ سے یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کے خلاف کوئی تحریک چل سکتی ہے۔

تحریک ابھی آغاز پر ہی تھی کہ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی ملعون کو ایک جلسہ عام میں (جو قادیانیوں نے ترتیب دیا تھا) کراچی کے پارک میں مدعو کیا گیا کہ وہ آ کر تقریر کریں۔ مسلمانوں نے

اس بات کا فوراً نوٹس لیا اور دھمکی دی کہ اگر قادیانی وزیر خارجہ نے اس متنازعہ مذہبی جلسہ میں شمولیت کی تو خطرناک ہو گا مگر قادیانی اس زعم میں تھے کہ حکومت اپنی ہے۔ انہیں یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے تھی کہ اگر ایک وزیر اور ایک جنرل کے قادیانی ہونے کی وجہ سے حکومت اپنی ہو سکتی ہے یا قادیانیوں کی مدد کر سکتی ہے تو حکومت کا سربراہ، باقی تمام وزراء اور دیگر تمام جرنیل جس دھڑے میں ہوں گے حکومت ان کی مدد کیوں نہ کرے گی؟ چنانچہ اپنے زعم کے زیر اثر ظفر اللہ قادیانی نے تمام دھمکیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شرکت کی۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی عوام بپھر گئے اور جلوس کی شکل اختیار کر کے جلسہ گاہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ انتظامیہ نے روکنا شروع کیا تو عوام میں جوش اور نفرت مزید بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ سر ظفر اللہ قادیانی کی تقریر کے دوران عوام کی طرف سے ردعمل اتنا زیادہ ہو گیا کہ تمام جلسہ متاثر ہو گیا اور سر ظفر اللہ اپنی تقریر مختصر کر کے انتظامیہ کی زیر نگرانی وہاں سے جان بچا کر نکلا۔ قادیانیوں کی طرف سے اپنی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے حالات یکسر بدل گئے۔ قادیانی حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ہاتھ ہولا رکھنے کی بجائے ڈٹ گئے۔ پھر قادیانیوں کے لیے ایسی آگ بھڑک اٹھی جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چل پڑی۔ قادیانیوں کے خلاف جلوس نکالے جانے لگے۔ جلسوں میں قادیانیوں کے خلاف نفرت اور مسلمانوں میں غیرت ایمانی ابھاری جاتی۔ قادیانیوں کی تعداد کم ہونے لگی اور لوگ قادیانی جماعت کو چھوڑ کر پناہ ڈھونڈنے لگے۔ قادیانی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پوری پوری قادیانی جماعتیں ختم ہو گئیں۔ بہت سی قادیانیوں کی عبادت گاہیں مسلمانوں کو مل گئیں۔ جہلم میں جادہ، چک جمال، کوٹ بھیرہ، کوٹلا فقیر، کریم پور اور دارا پورہ میں تمام کے تمام قادیانی مسلمان ہو گئے۔ جہلم کی بڑی جماعتوں محمود آباد، جہلم شہر، کالا گوجراں اور پنڈ دادن خان کی تعداد نمایاں طور پر کم ہو گئی۔ قادیانیوں کو اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان بیدار ہو گئے۔ اس سے عام مسلمان اور قادیانیوں میں بہت دوری پڑ گئی۔ پہلے

قادیانی اپنے اپنے علاقوں میں خاصے بارعب تھے۔ اپنا قادیانی وزیر خارجہ اور اپنا قادیانی جرنیل اس طرح پیش کرتے جیسے بڑے بھائی ہوں۔ اس سے وہ رعب ڈال لیتے تھے مگر جب تحریک چلی تو سب کو راہ فرار نہ ملتی تھی اور جائے پناہ کے لیے مسلمانوں میں اپنے دوست تلاش کیے جانے لگے۔

دوسری طرف قادیانیوں کے سرکردہ رہنماؤں نے قادیانی جماعت کا مورال بڑھانے کے لیے قادیانی جماعت کے افراد کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھ لو! دشمن نے کتنا زور لگایا مگر قادیانی جماعت کو ختم نہ کر سکا اور یوں دشمن ناکام لوٹ گیا۔ آئندہ بھی جو قادیانی جماعت کو ختم کرنے کے لیے اٹھے گا اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔ دوسرے لفظوں میں قادیانی کپڑے جھاڑ کر ایک بار پھر پہلوان کو کہہ رہے تھے ''اب کے مار''۔

جس طرح اس بنئے کو بھی یہ گمان تھا اور وہ موقف میں درست بھی تھا کہ اسے پہلوان نے صرف مارا پیٹا ہے ختم تو نہیں کر دیا بس اسے صرف یہ خوشی تھی کہ پہلوان نے اسے جان سے تو مار نہیں دیا۔ قادیانیوں نے بھی یہ علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے پورا زور لگا کے دیکھ لیا مگر قادیانی جماعت کو ختم نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ ان کی عزت اور رعب خاک میں مل گیا ہے۔ وہ سب کچھ گنوا کر بھی بے مزہ نہ ہوئے اور ایک بار پھر مسلمانوں کو للکارنے لگے کہ ''اب کے مار''۔

1953ء کے بعد کچھ عرصہ تک قادیانی دبے رہے۔ ایوب خان کے دور میں قادیانیوں کو پھر پَر پُرزے لگنے لگے۔ سر ظفر اللہ خان قادیانی ملعون وزارت خارجہ سے فارغ ہو کر عالمی عدالت میں بطور جج چلا گیا۔ مرزا مظفر احمد قادیانی (مرزا بشیر کا بھائی) وزارت خزانہ میں سیکرٹری کے عہدے پر پہنچ گیا جس سے قادیانیوں کو خاصا حوصلہ ملنا شروع ہو گیا۔ قادیانی ایک بار پھر بھول گئے کہ سیکرٹری کے اوپر وزیر، وزیر اعظم اور صدر کے عہدے بھی ہوتے ہیں اور ان عہدوں پر کوئی قادیانی نہ تھا۔ پھر دوسری وزارتوں کے بھی عہدے دار جن کی تعداد درجنوں میں ہے وہ سب غیر قادیانی تھے۔ اگر ایک افسر کے آنے سے آپ کی پوزیشن بن رہی ہے تو جس دھڑے میں باقی سب آفیسرز ہیں ان کی

پوزیشن کیوں نہیں بنتی؟ 1965ء کی جنگ میں جنرل اختر حسین ملک اور ان کے بھائی بریگیڈیئر (بعد میں جنرل) عبدالعلی ملک کے نام سامنے آئے۔ یہ دونوں بھائی قادیانی تھے اور قادیانیوں نے ان کو خوب کیش کروایا۔

1971ء میں میجر جنرل افتخار جنجوعہ چھمب جوڑیاں میں آپریشن کے دوران مارا گیا۔ بعد میں اس کے نام سے افتخار آباد نام رکھا گیا جو ابھی تک قائم ہے' یہ بھی قادیانی تھا۔ ایئر فورس میں ظفر چوہدری قادیانی ایئر مارشل کے عہدے پر پہنچا۔ لہٰذا ان کے ناموں سے قادیانیوں نے اپنا خوب رعب جمایا۔ دوسری طرف ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کو 1970ء کے الیکشن میں قادیانی جماعت نے مکمل کر سپورٹ کیا اور وہ کامیاب ہو گئے جس سے قادیانیوں نے پانچوں انگلیاں گھی میں سمجھ لیں۔

1974ء تک ایک نئی نسل تیار ہو چکی تھی۔ جو نسل 1953ء کے بعد پیدا ہوئی وہ 1974ء تک مکمل جوان ہو چکی تھی۔ لہٰذا اسے 1953ء کے حالات یا مار یاد نہ تھی اور جنہوں نے ہوش وحواس سے 1953ء کے حالات دیکھے تھے وہ بڑھاپے کی حد کو چھو رہے تھے تو گویا جوش والی نسل پرانے سبق سے بے بہرہ تھی۔

مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کے گروپ نے شمالی علاقہ جات کا سات روزہ دورہ کیا۔ سفر کے دوران بذریعہ ریل وہ چناب نگر (ربوہ) اسٹیشن پر سے گزر رہے تھے تو قادیانیوں نے مسلمان طلباء کو قادیانیت کی تبلیغ کرنی چاہی تو انہوں نے نعرہ بازی شروع کر دی۔ اس سے قادیانیوں کی توجہ اس طرف ہوئی اور انہوں نے مسلمان طلباء کے متعلق پلاننگ شروع کر دی۔ اب اس پلاننگ میں نوجوان نسل بھی شامل تھی جو 1953ء کے سبق سے بے بہرہ تھی۔ 29 مئی کو جب نشتر کالج کے طلباء واپس ملتان آ رہے تھے تو سرگودھا ریلوے اسٹیشن پر ان کی نگرانی قادیانی کرنے لگے اور چناب نگر (ربوہ) پہنچ کر ان طلباء کی ٹھکائی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب گاڑی چناب نگر (ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر رکی تو باقاعدہ پلاننگ سے (قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے) گاڑی روک کر نشتر

کالج کے طلباء کی خوب پٹائی کی۔ اسٹیشن کے قریب غلہ منڈی کے جوان پہلے ہی اپنے علاقے میں ڈانگ مار گروہ کی حیثیت سے ایک رعب رکھتے تھے۔ انہیں اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا۔ بس پھر کیا تھا قادیانیوں نے کالج کے طلباء کو خوب مارا پیٹا اور انہیں لہولہان کر کے اس پیغام کے ساتھ رخصت کیا کہ کرلو جو کرنا ہے۔ دیکھ لیتے ہیں تم کیا کرتے ہو؟ دوسرے لفظوں میں "اب کے مار"۔ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے فوراً بعد پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ سارا ملک ناموس رسالت ﷺ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ 1953ء میں تیار ہونے والا پلیٹ فارم صاف کر کے دوبارہ استعمال کے قابل ہوگیا۔ 29 مئی 1974ء کو یہ واقعہ ہوا تو 30 مئی کو مختلف شہروں میں مکمل ہڑتال ہوگئی۔

اس تحریک کے نتیجے میں قادیانیوں کو قومی اسمبلی کے ذریعہ آئین میں ترمیم کر کے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ پہلے قادیانیوں کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقعہ دیا گیا پھر فیصلہ کیا گیا۔

مرزا طاہر نے قادیانیوں میں تبلیغ کا جوش بھر دیا۔ ہر ضلع، تحصیل، حلقہ اور محلّہ کی جماعت کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنے معیار کے لحاظ سے تبلیغی مجالس منعقد کریں بس پھر کیا تھا پوری قادیانی جماعت اس میں مصروف ہوگئی۔ پورے جوش کے ساتھ ہر قادیانی تبلیغ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر محلے میں چائے پانی کی مجالس شروع ہوگئیں جس میں غیر قادیانی حضرات کو بلایا جاتا اور ان کو تبلیغ کی جاتی (جیسا کہ اب بھی مسلمان نوجوانوں کو چائے پارٹی کے نام سے بلایا جاتا ہے اور قادیانیت کی تبلیغ کی جاتی ہے)۔ اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے کہ فلاں دن فلاں جگہ مجلس سوال و جواب منعقد ہوئی جس میں اتنے غیر از جماعت دوست حاضر ہوئے ہیں۔ یہ ریکارڈ چناب نگر (ربوہ) میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ مجالس کا یہ سلسلہ محلے سے لے کر تحصیل و ضلع لیول تک ہوتا ہے اور پھر پوری تحصیل یا ضلع کا ایک اجتماعی قافلہ بذریعہ بس چناب نگر (ربوہ) جاتا ہے جس میں اکثریت مسلمان دوستوں کی ہوتی ہے۔ وہاں دار الضیافت میں خوب خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ تین چار گھنٹے تک مختلف مربیوں کے ذریعے تقاریر اور سوال و جواب کروائے جاتے ہیں اور آخر پر بیعت کے لیے کہا جاتا ہے۔ مشاہدہ یہ تھا کہ 100 غیر

قادیانی حضرات کے قافلہ میں سے کبھی کبھار ایک آدھ پھل ملتا تھا (مسلمانوں کو قادیانی بنانے کے لیے پھل کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے)۔

مرزا طاہر نے قادیانی جماعت میں تبلیغ کا جوش بھر دیا۔ بیعتوں کے سلسلے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی مگر اس سے جماعت کا مورال بڑھ گیا اور وہ اتنی چارج ہوگئی کہ ہر قادیانی دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ کیونکہ ہر قادیانی کو یہی باور کرایا جاتا کہ بہت جلد پوری دنیا کے لوگ قادیانی ہو جائیں گے اور پوری دنیا پر قادیانیوں کی حکومت ہوگی۔

1983ء میں قادیانی تبلیغ کے میدان میں سخت سرگرم تھے۔ اس کے ردعمل پر تحریک شروع ہوئی تو 1983ء کے آخر پر تحریک زوروں پر تھی۔ 1983ء کے جلسہ سالانہ میں مرزا طاہر نے قادیانیوں کو خوب چارج کیا جس سے ان کا مورال بڑھ گیا۔ 1984ء میں مارچ کے مہینہ میں قادیانی جماعت نے ایک کتاب بنام "اک حرف ناصحانہ" شائع کی اور اسے پورے پاکستان میں تقسیم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔

میں اس وقت لاہور میں احمدیہ ہوسٹل دار الحمد (134-A نیو مسلم ٹاؤن لاہور) میں ایم ایس سی (M.S.C) کے لیے مقیم تھا۔ وہاں پر ڈیڑھ ہزار کتاب تقسیم کرنے کے لئے ہماری ڈیوٹی لگائی گئی۔ رات کو پروگرام بنا۔ پروگرام کے مطابق ہم صبح اذان سے قبل اٹھے۔ "دو دو" سو کتاب اٹھائی اور دو دو لڑکوں پر مشتمل سات آٹھ کا گروپ فیلڈ میں چلے گئے۔ ہم نے پروگرام کے مطابق گھروں کے اندر گیٹوں کے نیچے سے کتاب کو پھینکنا شروع کر دیا۔ سورج طلوع ہونے سے قبل ساری کتابیں تقسیم ہوگئیں۔ پورے لاہور میں غالباً پچاس ہزار کتابیں تقسیم کی گئیں۔ گلبرگ کے کچھ پر جوش قادیانی نوجوانوں نے مارکیٹیں کھلنے کے بعد لوگوں کے ہاتھوں میں بھی کتابیں دیں۔ اس سے کچھ تلخیاں بھی پیدا ہوئیں بلکہ چند نوجوانوں کی پٹائی بھی ہوئی اور مقدمات بھی بنے۔ قادیانی جماعت نے یہ موقف اختیار کیا کہ اپنا موقف پیش کرنے کا ہر ایک کو حق ہے اور اس میں بُرا منانے والی کیا بات ہے؟ آپ

(مسلمان) اس کا جواب دیں اگر دے سکتے ہیں تو؟

''ایک حرف ناصحانہ'' کی تقسیم کے بعد مسلمانوں میں اور زیادہ اشتعال پیدا ہو چکا تھا۔ پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف جلوس نکلنے لگے اور قادیانیوں کی اس پکار کہ ''اب کے مار'' پر مسلمان حرکت میں آچکے تھے۔ کئی شہروں میں تصادم بھی ہوئے۔ سربراہ حکومت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم پر دباؤ پڑا کہ 1974ء میں کی جانے والی ترمیم کی قانون سازی کی جائے۔ اپریل کے مہینہ میں ہر شہر اور ضلع میں جلوس نکلنے شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی طرف سے اپریل 1984ء کو اسلام آباد میں ایک فیصلہ کن جلسہ اور پھر جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا گیا۔ مگر اس کا مرحلہ ہی نہ آیا اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کی حکومت نے 26 اپریل کو ایک آرڈیننس جاری کر دیا جس کے مطابق ''کوئی قادیانی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا' اپنے قول و فعل سے بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتا' اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتا' عبادت کے لیے بلانے کے لیے مسلمانوں کے طریق کے مطابق اذان نہیں دے سکتا اور نہ ہی مرزا قادیانی کی بیوی کے لیے ام المومنین اور ساتھیوں کے لیے صحابی جیسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے''۔

اس سرکاری حکم کے بعد قادیانی بالکل زمین پر لگ گئے' اذانیں بند ہو گئیں' لفظ مسجد کو بیت الحمد' دار الحمد' بیت الذکر اور دار الذکر جیسے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا۔ صحابی کے لیے رفیق کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ اپنے آپ کو احمدی مسلمان کی بجائے صرف احمدی لکھا جانے لگا۔

اب جس طرح یورپ کی طرف قادیانیوں کا بہاؤ ہے اس سے نظر آتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں قادیانی پاکستان سے یورپ چلے جائیں گے اور جو نہ جا سکے وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ویسے بھی جوں جوں قادیانی نوجوان تعلیم کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں وہ جماعتوں میں جاری امیر جماعت اور دیگر عہدیداران کی زیادتیوں سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں اور تیزی سے قادیانیت سے دور ہو رہے ہیں۔ مسلمان علماء کو اس طرف کوئی خاص محنت کی ضرورت نہیں۔ یہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچنے کے لیے سرگرداں ہیں۔

ایک طرف قادیانی جماعت ''اب کے مار'' والی پالیسی اپنا کر یہ تاثر دیتی ہے کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا دوسری طرف پوری دنیا کو یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ ہم پر بہت ظلم ہو رہا ہے اور جماعت کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ قادیانیوں نے مختلف وقتوں میں خفیہ طریقہ سے رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ 1984ء کے آرڈیننس کے بعد دسمبر کے مہینہ میں جماعت نے دو تین تحریروں کے نمونے تیار کر کے مختلف جماعتوں میں بھجوائے اور ہدایت کی کہ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے پتہ جات لے کر لوگوں کو خطوط لکھے جائیں جس میں لوگوں کو آرڈیننس کا حوالہ دے کر مسلمانوں کی غیرت کو جگا کر حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کی جانی تھی۔ راولپنڈی کے قادیانیوں کو کہا گیا کہ آپ سندھ' کراچی کے افراد کو خط لکھیں اور کراچی کے لوگوں سے کہا گیا کہ آپ پاکستان کے شمالی حصوں کی طرف خطوط بھیجیں۔ خط کے نیچے کسی نہ کسی کا ایڈریس دیا جاتا۔ میں خود اس پروگرام میں شامل رہا ہوں مگر خطوط کے بعد رزلٹ مایوس کن رہا اور یہ اسکیم فیل ہو گئی۔

مختلف وقتوں میں مختلف سربراہان حکومت کو باقاعدہ سکیم کے مطابق خطوط لکھے جاتے رہے۔ بھٹو کو پھانسی دلوانے کے لیے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو باہر سے خطوط لکھوائے گئے اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کو یہ تاثر دیا گیا کہ بیرون ملک مقیم پاکستانی بھٹو کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ جب جنرل ضیاء الحق مرحوم نے قادیانیوں کو نکیل ڈالی تو جونیجو صاحب کے برسر اقتدار آنے پر اسے خطوط لکھوائے گئے کہ آٹھویں ترمیم کو ختم کرواؤ اور جنرل ضیاء مرحوم کے قادیانیوں کے خلاف آرڈیننس کو ختم کرو۔ اس وقت تک مرزا طاہر لندن جا کر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا چکا تھا۔ جونیجو صاحب یہ کام نہ کروا سکے۔ جنرل ضیاء مرحوم کی وفات کے بعد غلام اسحٰق خان کو خطوط لکھے گئے اور ان پر یہ ظاہر کیا گیا کہ بیرون ملک پاکستانی انسانی حقوق کے حوالے سے اس آرڈیننس کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ پھر بے نظیر پر پریشر پڑا مگر کوئی بھی آٹھویں ترمیم ختم نہ کروا سکا۔ جب نواز شریف صاحب پہلی دفعہ وزیر اعظم بنے تو ان پر

﴿بقیہ صفحہ:52﴾

دارالافتاء

قادیانیوں کا جنازہ پڑھنے والوں کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہ ومفتیان شرع متین کہ

❶ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے قادیانی (مرزائی) یا لاہوری (مرزائی) مسلمان ہیں یا کافر؟

❷ ان کو مسلمان سمجھنے والے کیسے ہیں؟ قادیانی یا لاہوری مرزائیوں کی نماز جنازہ پڑھنی یا پڑھانی جائز ہے یا ناجائز؟

نیز نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے والوں کو کوئی سزا یا کفارہ تو ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔

مذکورہ سوالات کے جوابات شریعت محمد مصطفیٰ ﷺ اور فقہ حنفیہ کی روشنی میں فتویٰ کی صورت میں عنایت فرمائیں۔

سائل
محمد علی مستری
آرے والا بازار
نارووال ضلع سیالکوٹ

الجواب

❶ بعونہ تعالیٰ قانون شریعت اسلامیہ اور قانون پاکستان کے مطابق قادیانی مرزائی جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں مطلقاً کافر ہیں۔ اسی طرح لاہوری (مرزائی) جو کہ مرزا کو مجدد مانتے ہیں بھی قطعاً کافر ہیں۔ یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے ﴿ومن قال بعد نبینا نبی یکفر لانه انکر النص﴾ ''جو شخص ہمارے نبی ﷺ کے بعد کسی اور کو نبی تسلیم کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ نص قطعی کا منکر ہے'' اور نص قطعی کا منکر کافر ہے۔

❷ تفسیر روح البیان میں ہے ﴿ومن ادعی النبوة بعد موت محمد لا یکون دعواہ الا باطلاً﴾ اور جس شخص نے محمد ﷺ کے (پردہ فرما جانے کے) بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ چونکہ مرزائی تمام کافر ہیں جو ان کو مسلمان سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ جن لوگوں نے ان کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے وہ کافر ہو گئے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں اور جن لوگوں نے ان کا جنازہ ان کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے پڑھا ہے ان کا یہ جنازہ پڑھنا بھی ممنوع اور حرام اور ناجائز ہے ﴿ولا تصل علی احد منهم مات ابدا﴾[1] ''اگر کافروں سے کوئی مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیے''۔ جنازہ میں شرط اول میت کا مسلمان ہونا ہے کہ فتاویٰ شامیہ میں ہے ﴿وشرطها الاسلام المیت﴾[2] اور میت کا مسلمان ہونا نماز جنازہ کے لیے شرط ہے۔ مرزائی چونکہ کافر ہیں لہٰذا ان کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ جن لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی ہے ان کو چاہیے کہ توبہ علی الاعلان کریں اور احتیاطاً اپنے نکاح اور ایمان کی یہ لوگ تجدید بھی کریں۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

﴿فتاویٰ جماعتیہ، صفحہ:۲۰۹﴾

[1] التوبہ:۸۴
[2] فتاویٰ شامی، جلد:۱، صفحہ:۶۴۰

بزمِ اطفال

☆ مسیلمہ کون تھا؟

● اس کا پورا نام مسیلمہ بن کبیر بن حبیب تھا۔ مسیلمہ کا تعلق یمامہ کے ایک بہت بڑے قبیلے بنوحنیفہ سے تھا اور عام طور پر یہ قبیلے میں ''رحمان یمامہ'' کے نام سے مشہور تھا۔

☆ بدبخت مسیلمہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھا اس خط کا مواد کیا تھا؟

● خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام۔ مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اس لیے آدھا ملک ہمارے لیے ہونا چاہیے اور آدھا قریش کے لیے مگر قریش کی قوم زیادتی کرنے والی ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے اس خط کا کیا جواب مرحمت فرمایا؟

● محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ ﴿سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین﴾ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس نامۂ مبارک میں مسیلمہ کو ''مسیلمہ کذاب'' (جھوٹا) کے الفاظ سے مخاطب کیا چنانچہ اس کے بعد مسیلمہ جو ''رحمان یمامہ'' کے نام سے مشہور تھا ''مسیلمہ کذاب'' کے نام سے معروف ہو گیا۔

قائدِ اہلِ سنّت : حضرت علامہ **شاہ احمد نورانی** صدیقی

اور

مجاہدِ تحریکِ ختمِ نبوّت : حضرت مولانا **صوفی ایاز خان** نیازی

کی قائم کردہ مجاہدین ختم نبوت پر مشتمل تنظیم

فدایانِ ختمِ نبوّت پاکستان کا ترجمان

اشاعتِ اسلام خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے لیے میدانِ عمل میں ہے۔ 1973ء میں قائم کردہ ''تنظیم فدایانِ ختم نبوت'' کی 1995ء میں ''تحریک فدایان ختم نبوت'' کے نام سے تنظیم نو کی گئی۔ 2000ء میں ''تحریک فدایان ختم نبوت'' اور ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کو ختم کر کے موجودہ ''فدایانِ ختم نبوت'' کی بنیاد رکھی گئی۔

اس وقت فدایانِ ختم نبوت' پاکستان کے مرکزی امیر' شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ' خطیب پاکستان حضرت مولانا خان محمد قادری ہیں۔ ان حضرات کی باعلم وعمل اور متحرک قیادت نے فدایان ختم نبوت کو مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بہت جلد اہلسنت وجماعت کی مستند اور نمائندہ تنظیم بنایا ہے۔

فدایانِ ختم نبوت کے جملہ عہدیداران کی جانب سے تمام مومنین کو اس قافلہ عشق ومستی میں شمولیت کی دعوت ہے کہ آئیں اور اہلسنت کی چنیدہ وباعمل قیادت کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا علم تھام کر نبی آخر الزمان ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سرخرو ہو جائیں۔